

نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا، وَوَعَاَهَا، وَأَدَّاهَا“ (رواهُ الترمذی)
ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سنا، اس کو یاد کیا اور اس کو صحیح طور پر آگے پہنچایا۔

جمالِ حدیث

درس حدیث ربیعی ایساں افروز مجموعہ

افاضات عالیہ:

حضرت علامہ مفتی پیر محمد شاہ شاہزاد مجلہ سیفی

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: 80)
”جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“



مجالس الحدیث

فوائد و فہم حدیث پر مبنی ایمان افروز مجموعہ

تحقیق و تالیف

پیر طریقت حضرت علامہ محمد شہزاد مجددی

دارُ الاخلاص لاہور



15727

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

182279

141779

مجالس الحدیث	:	نام کتاب
علامہ محمد شہزاد مجذدی	:	مصنف
مولانا کریم علی نعیمی سیفی	:	
رجب 1435ھ / مئی 2014ء	:	اشاعت اول
300	:	صفحات
1100	:	تعداد
300/- روپے	:	قیمت
دارالخلاص (مرکز تحقیق اسلامی) 49 ریلوے روڈ لاہور	:	زیر اہتمام
E-Mail: msmujaddidi@yahoo.com	:	رابطہ
Con:0300 9436903, 042-37234068	:	

ملنے کا پتہ:

- (۱) دارالخلاص (مرکز تحقیق اسلامی) 49 ریلوے روڈ نزد چوک برف خانہ لاہور
- (۲) آستانہ عالیہ سیفیہ فقیر آباد شریف (لکھوڈیر)
- (۳) مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
- (۴) مکتبہ نور پور رضویہ گنج بخش روڈ لاہور
- (۵) مکتبہ قادریہ گنج بخش روڈ لاہور
- (۶) دارالعلم، دربار مارکیٹ نزد دستا ہوٹل لاہور
- (۷) مکتبہ محمدیہ سیفیہ، راوی ریان
- (۸) جامع مسجد نور، پنجاب سوسائٹی غازی روڈ، لاہور
- (۱۰) نیومنہاج القرآن، دربار مارکیٹ، نزد دستا ہوٹل، لاہور



انتساب!

محدث مکہ

سید محمد بن علوی المالکی

نور اللہ مرقدہ

اور

استاذ مکرم مفتی علی احمد سندیلوی

رحمة اللہ علیہ

..... کے نام!



فہرست مندرجات

11	میں نثار تیرے کلام پر	
47	حدیث اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے	1
49	شرح حدیث	
50	امام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان	
50	نیت کا لغوی معنی	
51	نیت کی فضیلت	
53	نیت کا ثمرہ	
55	دنیا اور آخرت کی بھلائی پانچ چیزوں میں ہے	
59	حضرت امام حارث محاسبی علیہ الرحمہ کا فرمان	
60	نیت دل کا فعل ہے	
61	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا فرمان	
63	حدیث دین خیر خواہی ہے	2
65	کل دین چار حدیثوں میں ہے	
65	امام نووی علیہ الرحمہ کے نزدیک کل دین	
65	حلقہ درس حدیث کا ادب	
67	روایۃ الاکابر عن الاصاغر	
68	فوائد الحدیث	
70	حدیث قدسی کی شرح	

72	مومن کا مومن پر حق	
77	حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انداز نصیحت	
79	حضرت ابوبکر المزنی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان	
80	نصیحت کی اہمیت	
81	حکمرانوں کو نصیحت	
83	حدیث جبریل	3
86	شرح حدیث	
88	حضرت جبرائیل کا بشری صورت میں آنا	
88	حضرت جبرائیل کا دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آنا	
90	احسان کی حقیقت	
92	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع	
93	قیامت کی نشانیاں	
95	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ	
96	ارکان اسلام	
101	باطل فرقوں کا رد	
102	تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے	
107	خلاصہ کلام	
108	انبیاء کرام کے مراتب و قرب کا تعلق	
109	امام مالک علیہ الرحمہ کا فرمان	
109	امام غزالی علیہ الرحمہ کا فرمان	
110	علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ کا فرمان	
110	تصوف کا حصول فرض عین ہے	
113	حدیث ولی	4

116	شرح حدیث ولی	
120	عالم باللہ اور عالم باحکام اللہ میں فرق	
121	امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ اور بشر حافی علیہ الرحمہ	
122	مولانا روم علیہ الرحمہ اور شاہ شمس تبریز علیہ الرحمہ	
123	حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا	
127	قرب فرائض اور قرب نوافل میں فرق	
135	5 حدیث الحب فی اللہ واللبغض فی اللہ	
137	کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض	
138	آداب بارگاہ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم)	
140	اللہ کے ولی کی محبت	
142	اللہ کے لیے محبت اور دشمنی	
148	حضرت ابو ادریس علیہ الرحمہ کا فرمان	
156	صحابی کا جنگ میں زخمیوں کو پانی پلانا	
168	حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا حجر اسود کو بوسہ دینا	
172	حضرت میاں شیر محمد شر قپوری علیہ الرحمہ کا فرمان	
173	دعوت فکر	
177	6 حدیث غصہ مت کرو	
179	وعظ و بیان میں تین بار تکرار سنت ہے	
180	فصاحت کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	
181	لا تغضب جوامع الکلم میں سے ہے	
185	حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ	
190	غصہ کا علاج	

193	حدیث ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت	7
196	راوی حدیث کا تعارف	
197	ماہ شعبان میں اعمال کا پیش ہونا	
198	وقفہ کے ساتھ روزے رکھنے کی فضیلت	
201	ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فرمان	
201	لوگوں کی شعبان کے مہینے سے غفلت	
202	فضائل شب برأت کی صحیح روایات	
202	نصف شعبان کے متعلق صحیح احادیث	
207	حدیث اصلاح قلب اور ترک مشتبہات	8
209	فوائد الحدیث	
210	ختم بخاری	
210	حدیث نبوی کا ادب	
212	راوی حدیث کا تعارف	
219	حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا فرمان	
222	شیطان کا دل پر حملہ کرنا	
227	حدیث افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	9
231	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تعارف	
236	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نرم دل ہونا	
238	مقام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	
238	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور خوابوں کی تعبیر	
243	تورات و انجیل میں صحابہ کرام کی نشانیاں	
246	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان	

247	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے احسانات	
248	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	
249	حضرت سلطان العارفين علیہ الرحمہ کا فرمان	
251	10 حدیث تین چیزیں جن سے مجھے محبت ہے	
253	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان	
257	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان	
258	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان	
258	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فرمان	
258	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان	
258	حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کا فرمان	
259	حدیث قدسی	
259	حضرت میکائیل علیہ السلام کا فرمان	
259	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان	
260	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان	
260	حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان	
260	حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا فرمان	
263	11 حدیث قیام تعظیمی	
265	تمہید	
267	سیادت علمی کو سیادت نسبی پر فوقیت حاصل ہے	
269	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل	
271	قیام تعظیمی کے جائز اور ناجائز اسباب	
272	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام تعظیمی کرنا	

273	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رضاعی والدین کا ادب کرنا	
275	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا قیام تعظیمی کرنا	
276	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا استقبال	
278	حدیث مرسل کی تعریف	
281	دعوت فکر	
281	قیام تعظیمی کی وضاحت	
283	فقہاء احناف کا موقف	
284	فقہاء شوافع کا موقف	
284	فقہاء مالکیہ کا موقف	
285	فقہاء حنابلہ کا موقف	
285	مومن کی حرمت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے	
287	بے ادبی کا وبال	
289	حدیث سلام کے آداب و احکام	12
291	سلام کرنے کا طریقہ	
292	لفظ سلام کی شرح	
293	نماز میں سلام بھیجنا	
294	رب کا جنت میں سلام	
295	سلام کرنے کی فضیلت	
298	جنت میں لے جانے والا نسخہ	
303	حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل	
304	وہ مقامات جہاں سلام کرنا منع ہے	
305	کھانا کھانے والے کو سلام کرنا منع ہے	
306	سلام کرنے سے بخشش ہو جاتی ہے	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



”میں نثار تیرے کلام پر“

محبوب رب العالمین، امام الانبیاء والمرسلین، صاحب جوامع الکلم، افصح العرب، ابلغ الناس، خطیب الانبیاء، سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ اور فرامین عالی شان ہی علوم الحدیث کا موضوع ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ علم کا موضوع جتنا بڑا اور عظیم الشان ہوتا ہے، اتنا ہی وہ علم رفعت مآب ہو جاتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے نکلنے والے الفاظ اور پھر ان سے صادر ہونے والے احکام و معارف ہی دین و شریعت قرار پاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نطق قرآن نے یوں بیان فرمائی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُُّوحَىٰ ﴿۳﴾ (النجم: 4، 3)

ترجمہ: اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔

حضرت رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی اس کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے اگرچہ بظاہر اللہ کے بندے کے حلق سے نکل رہا ہے۔

چنانچہ عصر حاضر میں حدیث نبوی کی اہمیت و فضیلت کے اپنی جگہ مسلم ہونے

کے ساتھ ساتھ اس کی تشریحی حیثیت کو بھی نمایاں اور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ حدیث و سنت کے منکرین اور متجددین کے نظریاتی ضرر سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھا جاسکے، اس تناظر میں آج شروع کتب حدیث اور پھر حلقہ ہائے دروس حدیث کی ضرورت و اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ پس نظر کتاب ”جالس الحدیث“ بھی اسی سلسلہ علمی کی ایک کڑی ہے۔ جس کی ابتداء میں ہم نے تعارف حدیث، علوم حدیث اور آداب مجالس الحدیث کو بھی برعایت اختصار شامل کر دیا ہے۔

لفظ حدیث کی لغوی تحقیق

اس قول، فعل یا تقریر (وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا) کو حدیث کہتے ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرف منسوب ہو۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب حدیث کے لفظ کو اخبار (خبر دینا) کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ مثلاً وہ اپنے مشہور ایام کو احادیث سے تعبیر کرتے تھے۔ مشہور نحوی الفراء اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ اسی لیے ان کے نزدیک حدیث کی جمع اُحدوثة اور اُحدوثة کی جمع احادیث ہے۔ عربی محاورہ میں کہتے ہیں ”صار اُحدوثة“ یا ”صار حدیثاً“ یعنی فلاں چیز ضرب المثل بن گئی۔ مشہور شاعر ابو کلدہ نے ایک ہی شعر میں مثل اور اُحدوثة کے الفاظ استعمال کر کے ان کے مترادف ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

وَلَا تُصْبِحُوا أُحْدُوثَةً مِثْلَ قَائِلٍ

بِهِ يَضْرِبُ الْأَمْثَالَ مَنْ يَتَمَثَّلُ

ترجمہ: اس قائل کی طرح تم ضرب المثل نہ بن جاؤ کہ جو شخص مثال دینا چاہتا ہے تو

اُس کا نام پیش کر دیتا ہے۔

لفظ حدیث کے مادہ کو جیسے بھی تبدیل کرتے چلے جائیں اس میں خبر دینے کا

مفہوم ضرور موجود ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ (الطور: 34)

ترجمہ: تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا (الزمر: 23)

ترجمہ: اللہ نے سب سے اچھی کتاب اتاری جو اول سے آخر ایک سی ہے۔

حدیث قدیم کی ضد ہے

بعض علماء کے نزدیک لفظ حدیث میں جدت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس لیے

حدیث قدیم کی ضد ہے۔ وہ قدیم سے کتاب اللہ اور جدید سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مراد لیتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

شرعی اصطلاح میں حدیث سے وہ (اقوال و اعمال) مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

جانب منسوب ہوں، گویا حدیث کا لفظ قرآن کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس لیے

کہ قرآن قدیم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں جدید ہے۔ مذکورہ بالا بیان اس

حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ بہت سے علماء کتاب اللہ کو حدیث اور کلام اللہ کی

بجائے حدیث اللہ کہنے سے احتراز کرتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ایک روایت موجود

ہے جس سے اس انداز تعبیر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دو ہی چیزیں اہمیت کی حامل ہیں،

ایک کلام اور دوسرا طریقہ۔ پس بہترین کلام تو کلام اللہ ہے اور بہترین راستہ وہ ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم گامزن رہے۔ چونکہ اکثر کتب حدیث میں "ان احسن الحدیث کتاب اللہ" کے الفاظ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اپنے قول کو حدیث کا نام دیا ہے۔ گویا آپ نے یہ نام رکھ کر اس کو ان دیگر امور سے ممتاز و ممیز کر دیا جن کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے اس طرح آپ نے لفظ حدیث کی وہ اصطلاح پہلے ہی مقرر فرمادی، جس پر محدثین نے آگے چل کر اتفاق کیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ روز قیامت آپ کی شفاعت کی سعادت کس کے حصہ میں آئے گی۔ آپ نے جواباً فرمایا۔ مجھے معلوم تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے کوئی شخص مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرے گا، کیونکہ وہ طلب حدیث کے بہت حریص ہیں۔

حدیث و سنت میں فرق

لفظ سنت اپنی اصل کے پیش نظر لفظ حدیث کے مترادف و مساوی نہیں۔ اپنے اصل لغوی معنی کے اعتبار سے سنت کا اطلاق اس دینی طریقہ پر کیا جاتا تھا۔ جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سیرت مطہرہ میں گامزن رہے۔ اس لیے کہ سنت کے لغوی معنی راستہ کے ہیں۔ لفظ حدیث عام ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال سب داخل ہیں۔ بخلاف سنت کا لفظ آپ کے اعمال کے ساتھ مختص ہے، دونوں لفظوں کے مفہوم کے مابین اس فرق و امتیاز کے پیش نظر محدثین کبھی یوں کہہ دیتے ہیں۔

هذا الحدیث مخالف للقیاس والسنة والاجماع

ترجمہ: یہ حدیث قیاس سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔

یایوں کہتے ہیں:

امام فی الحدیث و امام فی السنۃ و امام فیہما معاً
ترجمہ: فلاں شخص حدیث کا امام ہے فلاں شخص سنت کا امام ہے اور فلاں دونوں کا
امام ہے۔

عجیب تر بات یہ ہے کہ دونوں کا مفہوم بالکل جداگانہ نوعیت کا معلوم ہوتا ہے۔
اس کی حد یہ ہے کہ ابن الندیم نے ایک کتاب کا نام ”کتاب السنن بشواہد
الحدیث“ بتایا ہے، (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث و سنت کا مفہوم باہم مختلف
ہے)۔

لفظ سنت کی لغوی تحقیق

سنت سے طریق اور راستہ کا مفہوم مراد لینا عربوں کے یہاں کوئی نئی بات نہیں
بلکہ عرب ظہور اسلام سے پہلے بھی سنت کے اس مفہوم اور اس کی ضد بدعت سے آگاہ و
آشنا تھے۔ جب سنت کے لفظ کو اللہ کی طرف مضاف کر کے سنت اللہ کہا جاتا ہے تو وہ
اس سے بھی سنت کا مفہوم سمجھ لیتے تھے۔ مثلاً قرآن مجید میں فرمایا:

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: 62)

ترجمہ: یہ اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں کے بارے میں جو گزر چکے۔

جب عربوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ”علیکم بسنتی“ کے الفاظ سنے
تو انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے
اطوار و آداب مراد ہیں۔ مدینہ منورہ دیگر بلاد عالم کی نسبت سنت نبوی کا سب سے
زیادہ حریص تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ”دار السنہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔
اطراف مدینہ میں سنت کے مفہوم نے سیاسی و اجتماعی شکل و صورت کی بجائے دینی و

اسا سی رنگ و روپ اختیار کر لیا، چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدینہ میں کسی بدعت کو جنم دیا اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

اس حدیث میں اس بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص جماعت کے شیرازہ کو منتشر کر دے، امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے اور بدعت کو سنت کے مقابلہ میں ترجیح دے تو اللہ اور رسول اس سے بیزار ہیں۔ یہاں حدیث کے الفاظ کو بدعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہت جلد مسلمانوں نے (حدیث و بدعت) کی محدود دنیا سے نکل کر اس سے ایک جامع اور وسیع مفہوم مراد لینا شروع کیا، مسلمان صرف مدینہ کے ”دار السنۃ“ ہی میں بدعات کی ترویج سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ یہ خطرہ انہیں ہر اس جگہ لاحق تھا جہاں بھی دعوت اسلام پہنچی۔ بہر کیف حدیث و بدعت میں چنداں فرق نہیں، جیسا کہ حضور ﷺ کے ارشاد سے واضح ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

شر الامور محدثاتہا ترجمہ: بدترین امور بدعات ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جس نے ہمارے اس امر (دین اسلام) میں کوئی نئی بات ایجاد کی تو وہ مردود ہے۔

حفاظت سنت

جب بدعات کی ترویج و اشاعت کا خطرہ پیدا ہوا تھا تو اسی حد تک حفاظت حدیث و سنت کی تحریص و تشویق پیدا ہوئی۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جس مسلمان کا دل و دماغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے وابستہ ہو مگر وہ اپنے آپ کو اسوہ رسول کے سانچے میں نہ ڈھالے۔ تو یاد رکھیے وہ نہ تو صادق و امین ہو سکتا ہے اور نہ وہ بارگاہ ایزدی میں مقرب بن سکتا ہے۔ جو شخص حدیث رسول سے وابستہ ہو۔ وہ لازمی طور

۱- صحیح بخاری: کتاب الاعتصام، باب الاعتصام

۲- صحیح بخاری: کتاب الاعتصام، باب الاعتصام

۳- سنن ابوداؤد: کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ

سے اتباع سنت کے جذبہ سے سرشار ہوگا۔ وہ کبھی اس بات کی جسارت نہیں کرے گا جو آپ نے نہ کی ہو۔ بلکہ کوئی کام انجام دینے سے قبل اس بات پر غور کرے گا کہ سنت نبوی سے کون سا فعل قریب تر ہے۔ مثال کے طور پر کپڑے کو سمیٹ کر رکھنا، ٹخنوں سے نیچے نہ گرنے دینا، کثرت سے سلام کرنا مگر دھیمی آواز کے ساتھ، جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جانا، اس قسم کی دیگر عادات جن کا ذکر کتب حدیث کے کتاب الادب میں کیا گیا ہے۔ عہد رسالت اور زمانہ وحی گزر جانے کے بعد علمائے سلف یہ لوگ احیاء سنت اور بدعات کے مٹانے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیا کرتے تھے۔

حدیث و سنت میں یگانگت

اگرچہ اکثر جگہ حدیث و سنت کے الفاظ کا اطلاق جداگانہ معنی و مفہوم پر کیا جاتا ہے مگر نقاد حدیث ہمیشہ ان کو مساوی و مترادف یا کم از کم قریب المعنی سمجھتے رہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے اس لیے عملی سنت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقہ کا نام ہے۔ جس کو آپ ایسے حکیمانہ اقوال اور احادیث سے موید فرمایا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ حدیث و سنت دونوں کا موضوع ایک ہے۔ دونوں کا مرکز و محور یکساں طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے اقوال آپ کے اعمال کی تائید کرتے ہیں۔ آپ کے اعمال سے اقوال کو تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جب مذکورہ صدر حقائق نقاد حدیث کے ذہن میں گردش کرنے لگے تو انہیں اس ناقابل تردید حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا کہ اگر ہم حدیث و سنت دونوں کے اصلی مورد کو نظر انداز کر دیں تو (استعمال کے لحاظ سے) دونوں ایک ہیں اور ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا۔ ان حقائق کے پیش نظر اکثر محدثین نے ان کے مترادف ہونے کا فیصلہ صادر کیا۔

خبر و اثر

حدیث نبوی وہ خبر ہی تو ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوئی ہو۔ صرف بات یہ ہوئی کہ مورخ کو اخباری کہنے سے بعض علماء نے یہ سمجھ لیا کہ عالم حدیث کو محدث اور تاریخ دان کو اخباری کہتے ہیں۔ اس لیے حدیث وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور خبر وہ جو کسی اور سے اخذ کی گئی ہو۔ اس طرح انہوں نے حدیث و خبر کے مابین عموم و خصوص کی منطقی نسبت قرار دی اور اس کے زیر اثر یہ فیصلہ صادر کیا کہ ہر حدیث خبر ہوتی ہے اور ہر خبر حدیث نہیں ہوتی۔ جو محدثین حدیث و خبر کو مترادف قرار دیتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ دونوں لفظوں میں لغوی مفہوم مشترک ہے۔ دوسری بات یہ کہ رواۃ حدیث نے صرف وہی حدیثیں روایت نہیں کیں جو مرفوع ہونے کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہیں بلکہ صحابہ کی موقوف روایات اور تابعین کی مقطوعات بھی نقل کی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ راویان حدیث نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کردہ روایات بھی نقل کیں اور دوسروں سے ماخوذ اقوال و آثار بھی ذکر کیے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خبر کا اطلاق ان سب (مرفوعات، موقوفات، مقطوعات) پر یکساں طور کیا جاتا ہے۔ اس لیے حدیث کو خبر اور خبر کو حدیث کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ محدثین نے اسی زاویہ نگاہ سے ”اثر“ کے لفظ کو بھی دیکھا۔ بلاشبہ اثر کا لفظ خبر و سنت اور حدیث کا مترادف ہے۔ عربی محاورہ میں کہتے ہیں۔ میں نے حدیث کو روایت کیا، اثر کی جانب منسوب کر کے محدث کو ”اثری“ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اثر کو اقوال صحابہ و تابعین کے ساتھ مخصوص کرنے کا سرے سے کوئی جواز ہی نہیں، اس لیے کہ موقوف اور مقطوع روایات اسی طرح نقل و روایت کی جاتی ہیں جیسے مرفوعات۔ فرق یہ ہے کہ موقوف روایت کو صحابی مقطوع کو تابعی اور مرفوع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب

منسوب کیا جاتا ہے۔

حدیث قدسی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی نصیحت آموز باتیں سنایا کرتے تھے جو نہ تو وحی ہوتیں کہ انہیں قرآن کا نام دیا جاسکے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اقوال جن کو صراحۃً آپ کی جانب منسوب کیا جاسکے اور ان کو حدیث نبوی کے نام سے یاد کر سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی باتیں ذکر کرتے ہوئے صراحۃً ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب فرماتے۔ اس سے آپ کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ آپ ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے نقل کر رہے ہیں اور آپ کا انداز بیان قرآنی اسلوب سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ مگر بایں ہمہ اس کلام پر تقدس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور عالم الغیب کے نور کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ ایسے کلام کو ”احادیث قدسیہ“ یا ”احادیث الہیہ دربانہ“ کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ اس نے فرمایا: میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام ٹھہرایا اور تمہارے لیے بھی ظلم کو ممنوع قرار دیا اس لیے ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر وہ شخص جسے میں ہدایت دوں۔ اس لیے مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ میرے بندو! تم سب بھوکے ہو اس شخص کے سوا جس کو میں کھانا کھلا دوں۔ لہذا مجھ سے کھانا مانگو، میں تمہیں کھانا عطا کروں گا۔ میرے بندو! تم سب برہنہ ہو سو اس شخص کے جسے میں لباس پہناؤں لہذا مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم شب و روز گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہ معاف کرتا ہوں، پس مجھ سے معافی مانگو میں تمہیں معاف کر دوں

گا۔ میرے بندو! تم مجھے نقصان پہنچا سکتے ہو نہ نفع پہنچا سکتے ہو۔ میرے بندو! اگر پہلے اور پچھلے انسان اور جن تم میں سے متقی ترین شخص کی طرح بن جائیں تو میری سلطنت میں کچھ بھی اضافہ نہ کر سکیں گے۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان اور جن تم میں سے بدترین آدمی کی طرح بن جائیں تو میری سلطنت میں سے کچھ کم نہ کر سکیں گے۔ میرے بندو! اگر پہلے اور پچھلے انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کی مراد پوری کر دوں۔ تو میرے خزانہ میں اسی قسم کی کمی آئے گی جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ میرے بندو! میں تمہارے اعمال کا حساب رکھتا ہوں اور پھر ان کی پوری پوری جزا دوں گا۔ جو (اپنے اعمال نامہ میں) بھلائی دیکھے تو خدا کا شکر ادا کرے۔ اگر کچھ اور پائے تو اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

اس حدیث کا آغاز نبی کریم ﷺ نے ”فیما یرویہ عن ربہ“ کے الفاظ سے کیا۔ حدیث قدسی کی روایت میں علمائے سلف نے مذکورہ صدر عبارت ہی کو ترجیح دی ہے۔ جہاں تک متاخرین کا تعلق ہے وہ احادیث قدسیہ کو ”قال اللہ تعالیٰ فیما رواہ عنہ رسول اللہ ﷺ“ کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ معنوی اعتبار سے دونوں عبارتوں کا حاصل ایک ہے۔ فرق جو کچھ بھی ہو صرف اصطلاحات مقرر کرنے کا ہے۔ احادیث قدسیہ کے یہ الفاظ کہ ”یرویہ عن ربہ“ ان علماء کی دلیل ہیں جو کہتے ہیں کہ حدیث قدسی کے الفاظ بھی خداوند تعالیٰ کے ہوتے ہیں۔ مگر بہت سے علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث قدسی کا معنی و مفہوم من جانب اللہ ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس کو اپنے الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں۔ ابو البقاء کی یہی رائے ہے۔ چنانچہ وہ صراحتاً

فرماتے ہیں۔ قرآن وہ ہے جس کے الفاظ و معانی وحی جلی کی صورت میں خدا کی طرف سے نازل شدہ ہوں۔ باقی رہی حدیث قدسی تو اس کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں اور ان کا معنی و مفہوم خواب و الہام کے ذریعہ نبی پر من جانب اللہ القاء کیا جاتا ہے۔

اسلامی قانون میں حدیث نبوی کا مرتبہ و مقام

محققین اہل علم کا قول ہے کہ حدیث صحیح تمام امت پر حجت ہے۔ وہ اپنے نظریہ کی تائید میں ان قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہیں جن میں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو وہ اہل علم میں سے شمار نہیں کرے۔ اگرچہ وہ خود اپنے آپ کو عالم تصور کرتا ہو اور لوگ بھی اس کے تبحر اور دینی فہم و ادراک کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ قرآن کریم کے اس واضح حکم کے بعد علمی بحث و تھیس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ جب آیات سے اطاعت رسول کی فرضیت معلوم ہوتی ہے۔ صریح اور ناقابل تاویل ہیں۔ آپ کی اطاعت صورت صرف یہی ہے کہ حدیث و سنت کی پیروی کی جائے۔ دینی مسائل میں اس سے استدلال کیا اور قرآن کریم کے بعد حدیث کو قانون اسلامی کا دوسرا ماخذ قرار دیا جائے۔

اگرچہ حدیث کا ماخذ قانون ہونا ایک بدیہی امر ہے تاہم ہم حجیت حدیث کے بعض پیچیدہ پہلوؤں کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن آیات میں اطاعت رسول کی ترغیب دلائی گئی ہے آیا وہ حدیث نبوی کو ایک مستقل ماخذ تشریح قرار دیتی ہیں۔ تاکہ اس میں بیان کردہ احکام کو قرآنی احکام کی طرح اخذ

کیا جائے۔ یا حدیث کی حیثیت ایک مستقل ماخذ کی نہیں بلکہ وہ صرف قرآن کریم کی تشریح و تفسیر ہے اور بس۔ جب حدیث نبویؐ میں اور مفسر ٹھہری اور اس کا کام اجمال قرآن کی تفصیل بیان کرنا ہو تو قرآن کی طرح اس کو ماخذ قانون کیسے قرار دیا جاسکے گا۔ بلکہ احکام دین کا ماخذ صرف قرآن کریم ٹھہرے گا۔ جس صورت میں حدیث کو ایک مستقل یا غیر مستقل ماخذ تشریح قرار دیا جائے گا۔ اس میں پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا اخبار آحاد مقبول ہوگی؟ یا دوسری احادیث سے استشہاد کر کے ان کو تقویت بہم پہنچائی جائے گی۔

ان اعتراضات کے جواب سے عہدہ برآ ہونے والے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم قرآن کریم کی وہ آیات نقل کریں جن سے سنت نبویؐ پر عمل کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ عبدالرحمن بن یزید نے ایام حج میں ایک محرم آدمی کو دیکھا جس نے ایک سلا ہوا کپڑا پہن رکھا تھا۔ عبدالرحمن نے اسے کپڑا اتار کر سنت نبویؐ پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ اس نے عبدالرحمن سے کہا ”مجھے کوئی آیت بتائیے جس میں کپڑے اتارنے کا حکم دیا گیا ہو۔ عبدالرحمن نے اسے یہ آیت سنائی:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: 7)

ترجمہ: اور رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس نے منع کرے اس سے باز

رہو۔

بظاہر قرآن میں سلا ہوا کپڑا اتارنے کا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ حکم صرف حدیث میں دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سنت اس شرعی حکم کے بیان کرنے میں منفرد ہے اور اس طرح ایک مستقل ماخذ تشریح کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کاموں سے باز رہنے کی ہدایت کی ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہو۔

سنت رسول کے بارے میں ایک مومن کا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ جب بھی

182279

141729

جدل و نزاع کی صورت پیدا ہو اور جب بھی کوئی دعویٰ اٹھے تو حدیث نبوی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم جھکا دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (النساء: 65)

ترجمہ: تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ بنالیں اور پھر آپ جو فیصلہ بھی صادر کر دیں اس کے خلاف اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور گردن تسلیم خم کر دیں۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ آپ پانی کے نالے سے پہلے اپنا کھیت سیراب کر لیں اور پھر انصاری کو باری دے دیں۔ یہ انصاری بزرگ غزوہ بدر میں شمولیت کر چکے تھے۔ اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ حدیث نبوی کو اس مسئلہ میں واحد ماخذ تشریح قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا:

وَآنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: 43)

ترجمہ: ہم نے قرآن کو آپ پر اتارا تا کہ جو چیز آپ پر اتاری گئی ہے۔

آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حدیث نبوی کی قانونی پوزیشن واضح کی اور بتایا کہ اقوال و اعمال رسول قرآن کے معنی مفہوم واضح کرتے ہیں۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اجمال قرآن کی تفصیل بیان کرتی ہے اور مطلق کو مقید اور عام الفاظ کی تخصیص کرتی ہے۔ شریعت میں جو مقادیر حدود اور جزئیات غیر

معین ہیں حدیث ان کو معین کرتی ہے۔ قرآن جس امر کی تصریح سے خاموشی اختیار کرتا ہے وہاں تنہا سنت دین کا نقطہ نظر واضح کرتی ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحی وسعت و جامعیت

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جملات قرآن پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس میں اسلامی تشریح کے تمام پہلو مثلاً عبادات، معاملات اور حلال و حرام سب آجاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل بطریق قیاس بیان فرمائی۔ کبھی دو نظیروں اور دو متقابل چیزوں کے مابین مقارنہ و موازنہ سے اس کو واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا (البقرہ: 275)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے یہ مفہوم سمجھا کہ ربا کے حرام ہونے کا راز اس زیادت اور اضافہ میں مضمر ہے جس کا عوض و مقابل نہ ہو۔ اس لیے آپ نے اس قسم کے ہر اضافہ کو سود پر قیاس کر کے حرام قرار دیا۔ آپ نے فرمایا: سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے عوض نمک، جنس بجنس برابر برابر اور دست بدست، جس نے زیادہ دیا ”یا“ لیا اس نے سود کا کاروبار کیا۔ جب جنس ایک نہ ہو (مثلاً ایک طرف جو اور دوسری جانب گندم) تو اس میں زیادتی جائز ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنس ایک نہ ہو تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ بیع دست بدست ہو۔

قرآن نے زنا کو حرام اور نکاح کو حلال قرار دیا ہے مگر اس نکاح کے حکم سے

خاموشی اختیار کی جو خلاف شرع ہو، مثلاً عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے زنا اور غیر شرعی نکاح کو یکساں قرار دیا۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ جس نکاح میں شرعی شرائط کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو وہ باطل ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔

قرآن نے سمندر کے شکار کو حلال و طیب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ

(المائدہ: 94)

ترجمہ: سمندر کا شکار اور کھانا تمہارے لیے حلال قرار دیا گیا یہ تمہارے اور

مسافروں کے لیے ایک سامان کی حیثیت رکھتا ہے۔

مردار کو قرآن کریم کے متعدد مقامات میں حرام قطعی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں

ایک طرف سمندری شکار کو علی الاطلاق حلال قرار دیا گیا۔ دوسری طرف مردار کو بے بیغہ

عموم حرام قرار ٹھہرایا۔ تو نبی کریم ﷺ نے دونوں کے حکموں میں اعتدال پیدا

کرتے ہوئے سمندری مردار کو عام حکم سے مستثنیٰ کر کے حلال قرار دیا۔ آپ ﷺ

نے سمندر کے بارے فرمایا: اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔

ایک روایت میں اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار

اور خون حلال ٹھہرائے گئے اور دو مردار اور خون حرام ٹھہرائے گئے۔ تو ٹڈی اور مچھلی

حلال ہیں اور جگر اور تلی حرام ہیں۔ جس قدر قرآن کریم کو حدیث کی ضرورت ہے اتنی

حدیث کو قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔

۱- ابوداؤد: کتاب النکاح، باب فی الولی

۲- ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب الماء البحر

۳- جامع بیان العلم: 2/191

مذکورہ صدر مثالوں سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ حدیث دو قسموں میں منقسم ہے۔ وہ احادیث جو مستقل فی الشریع ہیں اور ان میں وہ مسائل و احکام بیان کیے گئے جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ ایسی احادیث جو جملات قرآن کی تفسیر و تفصیل پیش کرتی ہیں۔ امام شاطبی فرماتے ہیں۔ قرآنی دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ شریعت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے اور آپ کے تمام اوامر و نواہی قرآنی احکام کے ساتھ ملحق ہیں۔ اس لیے ان کا قرآن سے زائد احکام پر مشتمل ہونا ناگزیر ہے۔

یہی اضافہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفصیلات میں نظر آتا ہے اس امر کا موجب ہوا کہ حدیث نبوی کو جملہ اقوال کے مطابق قرآن کے بعد دوسرا مرتبہ حاصل ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کا وجود دو اصولوں سے عبارت ہے۔

(۱) قرآن (۲) حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے چلا ہوں۔ جب تک انہیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) اللہ کی کتاب اور (۲) میری سنت۔

حدیث مستقل ماخذ تشریح ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن ہر اس چیز پر اجمالاً و تفصیلاً دلالت کرتا ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سنت بھی مقرر فرمائی، قرآن میں اس کی اصل موجود ہے۔ اس لیے قرآن کو اللہ پاک نے ”تَبَيَّنَّا لِكُلِّ شَيْءٍ“

۱- الموافقات: 4/14

۲- جامع بیان العلم: 2/180

(النحل: 89) (ہر چیز کی تفصیل) کہا ہے قرآن کے ساتھ دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ: 3)

ترجمہ: آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔

دوسری جگہ فرمایا:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: 38)

ترجمہ: ہم نے قرآن میں کسی بات کی کمی باقی نہیں چھوڑی۔

اس لیے حدیث کسی صورت میں بھی شریعت میں اضافہ نہیں کر سکتی پھر یہ تشریح میں مستقل حیثیت کی حامل کیونکر ہو سکتی ہے۔ جو لوگ یہ شبہ وارد کرتے ہیں ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ قرآن کریم کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ قرآن کریم اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید تاکید کرتا اور آپ کی خلاف ورزی سے ڈراتا ہے۔ قرآن کریم جہاں آپ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ وہاں اس بات کی مطلقاً تفریق نہیں کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم تفسیر قرآن کے متعلق ہو۔ یا اس کی حیثیت ایک مستقل حکم کی ہو (جو سرے سے قرآن میں موجود ہی نہیں)۔

قرآن بطریق (تخویف) کہتا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ

(النور: 63)

ترجمہ: جو لوگ آپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی اطاعت اور آپ کی نافرمانی کی ممانعت

واضح ہوتی ہے۔ یہ اطاعت ان امور میں ہوگی جو سنت ہیں اور جن کا قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا۔ گویا یہ وہی مضمون ہے جس کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِنَّ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء: 59)

ترجمہ: اگر کسی بات میں تمہارے یہاں تنازع بپا ہو جائے تو اس سے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب الہی کی طرف لوٹانا ہے اسی طرح رو الی الرسول سے آپ کی وفات کے بعد حدیث و سنت کی جانب رجوع کرنا مقصود ہے۔ اس کے بعد سنت کو تفصیلی مدلولات کے ساتھ قرآن کی طرف لوٹایا جائے گا۔ کوئی عالم اس بات کی مخالفت نہیں کرتا کہ سنت پر عمل بعینہ قرآن پر عمل پیرا ہونے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ قرآن کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ سنت پر عمل واجب ہے۔ کیونکہ قرآن اعم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں اخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اعم اپنے کلیات کی وجہ سے اخص کی جزئیات پر حاوی ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کے مابین جن اصول و قواعد میں اتحاد و اشتراک پایا جاتا ہے۔ اس کو مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حدیث جداگانہ طور پر تشریح و توضیح کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے رسول کو ہادی و پیشوا اور آپ کی سنت کو رہنما بنایا ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخری دن کی امید رکھتا ہے اور ذکر خداوندی میں مشغول رہتا ہو۔

خرید و فروخت سے متعلق مسائل کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء: 19)

ترجمہ: اپنے مالوں کو باہم ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔

نیز فرمایا:

وَاحْلَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرہ: 275)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال یا حرام ٹھہرایا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم خداوندی ان کی وضاحت کر دیا کرتے تھے۔ اسلامی قانون میں جو حدیث نبوی کو مقام حاصل ہے۔ اس کی توضیح و تشریح کے پیش نظر ان چاروں اقسام میں سے آخری صحیح تر ہے۔ اس کے پیش نظر ان دونوں باتوں میں باہم توافق و تطابق پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن ہر چیز کے لیے تبیان ہے اور اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حدیث ایسے احکام کا اثبات کرتی ہے۔ جو قرآن میں نفیاً و اثباتاً کسی طرح بھی مذکور نہیں ہیں۔ البتہ ان مسائل کے اصول و قواعد قرآن میں مذکور ہیں۔ یہ معتدل مذہب ہمیں بلا تردد اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حدیث کو اسلام کے اصول تشریح میں سے اصل ثانی قرار دیں۔ پھر بعض علماء کا اس کو ایک مستقل اصل قرار دینا بھی بعید از قیاس نہ ہوگا۔ اور جنہوں نے غیر مستقل کہا وہ بھی غلط نہیں ہوگا۔ علماء شروع ہی سے یہ سچی بات کہتے چلے آئے کہ: قرآن کریم نے حدیث کے لیے جگہ باقی چھوڑی تھی اور حدیث نے قرآن کے لیے۔

مندرجہ ذیل آیت کے پیش نظر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے:

مَنْ يُطِيعَ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: 80)

ترجمہ: جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

اعتقادی فتنے

تاریخ اسلام میں دیگر فتنوں کی طرح ایک اعتقادی فتنہ کھڑا ہوا خلق قرآن کے حوالے سے کہ قرآن مخلوق ہے، وہ قرآن کو مخلوق کیوں ثابت کرنا چاہتے تھے، اس لیے تاکہ ہم بھی مخلوق ہیں اور قرآن بھی مخلوق ہے لہذا جب ثابت ہو جائے کہ دونوں ہی مخلوق ہیں تو جیسے چاہیں اس کو موڑ دیں جس حرام کو چاہیں حلال کریں اور جس کو چاہیں حلال کو حرام کر دیں فحاشی و عریانی کے دروازے کھولیں اس سے سہولتیں نکالیں جس طرح بنی اسرائیل نکالتے تھے، کلام الہی میں تصریفات کرتے تھے اس لیے قرآن پاک نے ان کے بارے فرمایا:

كَمَثَلِ الْجِبَارِ يَمِيلُ أَسْفَارًا (الجمعة: 5)

ترجمہ: گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔

بنی اسرائیل کے علماء کلام الہی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں فرمایا، یہ اس گدھے کی طرح ہیں جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے، اگر گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو وہ عالم تو نہیں بن جاتا یہ قرآن نے ان لوگوں کی مثال بیان کی جنہوں نے اپنی خواہش نفس کے تابع ہو کر قرآن و حدیث کے معنی بیان کیے۔ امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قرآن و حدیث کا درست معنی اس شخص پر ہی کھلتا ہے جس کے لیے سونا اور مٹی برابر ہو جائے۔

یہ ائمہ کرام جن کی ہم بات کرتے ہیں یہ ایسے ہی نہیں حدیثیں جمع کرتے اور پڑھتے اور پڑھاتے تھے بلکہ ان کا حدیث والے سے اتنا گہرا تعلق تھا اس کلام کے

پیچھے اس متکلم کی ایسی وابستگی تھی، امام مالک علیہ الرحمہ جو امام الحدیث والفقہ تھے جس روز آپ بالغ ہوئے مدینہ میں رہتے مدینے میں پیدا ہوئے مسجد نبوی کی فضا اور اس کے ارد گرد رہتے ہو جو ان ہوئے، بلوغت کی رات سے لے کر زندگی کی آخری رات تک کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں آپ علیہ الرحمہ کر نبی کریم ﷺ کا دیدار نہ ہوا ہو، یہ اتنا گہرا تعلق تھا اسی لیے ان کو جہاں پر علماء نے امام مانا ہے وہاں پر دوسروں نے بھی ان کو اپنا امام مانا ہے جب فقہی اور شرعی مسئلہ آتا ہے تو انہیں ائمہ کرام کی تقلید اور فتوے پر حجت اور سند سمجھتے ہیں وجہ کیا تھی یہ صرف ظاہر کے ہی امام نہیں تھے بلکہ باطن کے بھی امام تھے اسی فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ اور مکتوبات کے اندر امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ یہ لکھا کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ یہ دونوں امام صاحب کے بڑے شاگرد اور دست و بازو تھے، جن کو (صاحبین) کہتے ہیں یہ صرف فقہ کے ہی امام نہیں تھے بلکہ یہ سرداران کشف و مجاہدہ بھی تھے، چونکہ اس دور میں یہ فرق نہیں تھا یہ بعد میں ہوا، جو ظاہر و باطن سے کٹ گئے انہوں نے یہ کہا کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے اپنے پیروکاروں کو اپنے سے وابستہ رکھنے کے لیے انہوں نے یہ تقسیم کی لیکن ابتدا میں تو یہ تقسیم نہیں تھی خلفاء راشدین کے دور میں جب کوئی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتا تھا وہ بیعت سیاسی بھی ہوتی تھا اور روحانی بھی ہوتی تھی جو ائمہ تھے انہوں نے اس وراثت کو پوری طرح سنبھالا، ائمہ اہل بیت جتنے تھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ان کے والد امام باقر رضی اللہ عنہ یہ سارے فقہ کے بھی امام تھے حدیث کے بھی امام تھے اور روحانیت کے بھی امام تھے، تینوں میدانوں میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے حلقہ حدیث میں بیٹھنے والوں میں ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض ہیں داود طائی ہیں جو

طریقت کے سارے شجرے وہ ان کی طرف ہیں عبداللہ بن مبارک اور کعب بن جراح علیہ الرحمہ بندہ ان کے نام سن کر حیران ہوتا ہے، آپ کے حلقہ درس حدیث میں ہر فیلڈ اور ہر مضمون کا امام بیٹھا ہوا ہے جو اپنے Subject کا امام تھا وہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی محفل میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتا ہے تو صحابہ کرام سے یہ روایت چلی کہ حدیث کو یاد بھی کرنا ہے اور اس کو محفوظ بھی کرنا ہے اور اس کو صحیح پہنچانا ہے اور ساتھ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اس کو صحیح و درست آگے پہنچانا ہے اس میں کوئی آمیزش نہیں کرنی نہ ہی ملاوٹ کرنی ہے کوئی کمی و بیشی نہیں کرنی یہ حدیث متواتر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من کذب علی متعبدا فلیتبعوا مقعدہ من النار

ترجمہ: جس شخص نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔

دوسرے الفاظ:

من حدث عنی حدیثاً وھو یری انہ کذب فھو احدک

ترجمہ: جس نے میری طرف ایسی بات بیان کی جو اسے معلوم ہے کہ یہ میں نے بات نہیں کہی تو وہ بڑے جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

یہ حدیث پاک متواترات میں سے ہے تقریباً ایک سو صحابہ کرام نے اس کو روایت کیا ہے اس کو چار خلفاء راشدین دس عشرہ مبشرہ نے روایت کیا ہے۔

ایک امام کا قول ہے کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی بات کہی تو وہ کافر ہو گیا، عام طور بھی جھوٹی بات کرنا بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے لیکن اصدق الصادقین

۱- سنن ترمذی: ابواب العلم، باب من روی حدیثاً وھو یری انہ کذب

۲- سنن ترمذی: ابواب العلم، باب من روی حدیثاً وھو یری انہ کذب

سب سے بڑے سچے کی طرف جھوٹی بات کرنا، یہاں سے احتیاط کی ضرورت ہے تو اس احتیاط میں صحابہ کرام کو تو سب سے آگے ہی نظر آنا تھا، حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جو کہ مقرب خاص تھے اور روایات میں سب سے زیادہ کم ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے تقریباً 143 حدیثیں مروی ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کچھ زیادہ ہیں اور اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں اگر یہ ساری حدیثیں ملائیں تو تقریباً ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہیں، اسی طرح معلم صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ڈر کے مارے نہیں کہتے تھے کہ ”قال رسول اللہ ﷺ“ خوف و خشیت کی وجہ سے یہ الفاظ کہتے ہوئے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا رو نگٹے کھڑے ہو جاتے، پھر ساتھ ہی کہتے کہ ”کذا او کذا“ یہی سے یہ روایت چلی کہ محدثین جب کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں ”او کہا قال علیہ السلام“ یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ احتیاط صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلی ان کے شاگرد بیٹھے وہ حدیث بیان کرتے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوف و ڈر کی وجہ سے، دوسری بات فتنہ وضع حدیث دور تا بعین میں ایک ایسا طبقہ بھی اٹھا جن کو واضعین حدیث کہتے تھے، انہوں نے خود حدیثیں گھڑ کے ذخیرہ حدیث میں روایت کر دی یہ فتنہ حدیث شروع ہوا یہ ایک دفتر ہے علوم حدیث کے اندر، ایک اور طبقہ تیار ہوا ایک روتا ہوا بچہ آیا باپ نے پوچھا کیا ہوا، اس نے کہا مجھے سعد نے مارا ہے، وہ بچہ بڑی شدت سے چیخ رہا ہے تو باپ نے کہا میں ابھی اس کا علاج کرتا ہوں تو اس نے حدیث گھڑ دی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے جو معلمین بچوں کو ماریں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔ روافض نے حضرت علی رضی اللہ

عنه کے بارے حدیثیں گھڑیں اور جو خوارج تھے انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے حدیثیں گھڑیں، میں یہ چھوٹے سے شعائر دے رہا ہوں اس طرح یہ رجحان پیدا ہوئے یہ بھی امت کی ایک آزمائش تھی کہ دیکھیں یہ کیا کرتے ہیں پھر اللہ نے ایسے ماہرین و کالمین پیدا کیے ایسے امام پیدا کیے جن کو اللہ نے اتنی فہم و فراست عطا فرمائی ہے۔ یہ ائمہ کرام نے لکھا ہے کہ جسے صحبت نبوی نصیب ہو وہ صحابی بنتا ہے اور جسے صحبت کلام نبوی نصیب ہو وہ محدث بنتا ہے جسے کلام نبوی سے ایسی مناسبت پیدا ہو جائے کہ اگر کوئی اس کے سامنے زبانی پڑھے تو وہ اپنی فراست باطنی سے جانچ لے کہ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے یا کسی اور کا کلام ہے اللہ پاک نے ایسے لوگ بھی پیدا کیے ایسے ماہرین بھی پیدا فرمائے ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسے قانون و کسوٹی بنائیں، کہ جس پر حق و باطل کو پرکھا جاسکے تو صحابہ کرام سے اس کا اہتمام ملتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ محتاط و مقرب خاص تھے آپ کے دور خلافت میں دادی کی وراثت کا مسئلہ پیش ہو امر نے والے کی دادی کی جو میراث ہے وہ کیا ہے کتنی ہے اور ہے بھی یا نہیں اس کے لیے آپ کی خدمت میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اتنے محتاط تھے تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی اس کا گواہ ہے کیا میرے علاوہ بھی کسی نے یہ حدیث سنی ہے یہاں سے ایک اور کام نکلا وہ تھا خبر واحد اور خبر متواتر، خبر متواتر کا مطلب ہے کہ جس کو ہمیشہ ایک جم غفیر نے نقل کیا ہو، خبر واحد وہ ہے جس کو ایک ہی شخص نے روایت کیا ہو جس کا راوی اوپر سے نیچے تک ایک ہی رہا اگرچہ سارے راوی ثقہ تھے۔

بہر حال دو صحابی کھڑے ہوئے اور کہا کہ جو یہ بات کہہ رہے ہیں درست ہے اس حدیث کی روشنی میں 1/6 دادی کو حصہ دیا جائے گا۔ دادی کی میراث کا مسئلہ بہت

اہم ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھرتین بار دستک دی، پھر واپس چلے گئے بعد میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر آئے دیکھا کوئی نہیں تو مسجد نبوی میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے گھر میں کون آیا تھا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آیا تھا، فرمایا تمہیں پتہ نہیں کہ کوئی بندہ گھر میں مصروف بھی ہوتا ہے وہاں کھڑے رہتے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب تم میں کوئی کسی کے گھر جائے تو تین بار دستک دے یا آواز دے اگر جواب نہ آئے تو بغیر کسی ناگواری کے واپس آجائے اب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بھی وہی کیفیت تھی۔

مجالس حدیث میں حاضری کے آداب

اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے باوجود شان بے نیازی کے اپنے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و حرمت، تعظیم و تکریم اور آداب و احترام کو دین میں قانونی، شرعی اور اساسی حیثیت دیتے ہوئے خود اپنی بارگاہ سے براہ راست اس کی تعلیم اور تلقین کی ابتدا فرمائی تاکہ ہر مطیع و متبع اور اپنا و بیگانہ یہ بات جان لے کہ یہ تقاضا آنے والے کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بھیجنے والے کی طرف سے ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں

قرآن و حدیث میں جا بجا ایسی آیات اور مضامین موجود ہیں جو اس کی صداقت کے لیے بطور شہادت پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ

لَا تَشْعُرُونَ ﴿۲﴾ (الحجرات: 2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اونچا نہ کرو اور انہیں اس طرح مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس بات کی خبر بھی نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

وَاللَّهِ لَا أَرْفَعُ صَوْتِي إِلَّا كَأَخْبِي السَّرَارِ

ترجمہ: اللہ کی قسم میں اپنی آواز کو سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں کروں گا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان آیات کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایسے بات کرتے تھے کہ آواز کی پستی کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھنا پڑتا (کہ کیا کہہ رہے ہو) صحابہ کرام کے کمال ادب اور والہانہ جذبہ احترام سے خوش ہو کر رب العالمین نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى ط (الحجرات: 3)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پست رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے۔

تفسیری خلاصہ

یہ ہے کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے آداب کو ملحوظ رکھنے والوں کے لیے اللہ نے اپنی رضا کی سند نازل فرمائی اور انہیں بشارت دی کہ ادب والوں کے

دلوں کو اللہ ہر قسم کے کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک کر کے اخلاص کا مخزن بنا دیتا ہے اور ان کے قلوب کو تقویٰ کے لیے وسیع اور فراخ کر دیتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کے عزت و احترام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ کی آواز، صدا اور لہجے کے حوالے سے مطلوب آداب کا لحاظ رکھنا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

سیرت و شمائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چیخ کر بولنا اور بے جا آواز بلند کرنا پسند نہ تھا اگرچہ وہ ذکر اللہ کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایک غزوہ سے واپسی پر صحابہ کرام نے جب بہت بلند آواز سے اللہ اکبر کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائباً

ترجمہ: اے لوگوں! اپنی جانوں پر نرمی کرو، تم کسی بہرے اور غائب کا ذکر نہیں کر رہے ہو۔ بلکہ تم تو سمیع و قریب کو پکار رہے ہو۔
حضرت حفیظ تائب مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

ذہن میں رکھ آئیہ لا ترفعوا اصواتکم

بات کر طبع پیمبر کی نزاکت دیکھ کر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حرم نبوی میں دو آدمیوں کو بلند آواز سے

بولتے سنا تو ان سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو تم کہاں ہو؟ پھر پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے

والے ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا ہم طائف کے رہنے والے تو آپ نے فرمایا: اگر

تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں مار مار کر زخمی کر دیتا۔

الغرض اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک اور آپ کی پسندنا پسند پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال و احوال کو اتباع و اطاعت نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کوشاں رہے۔ کیونکہ

نہ اوہ شکل ویکھے ناں اوہ عقل ویکھے
نی اوہ ویکھدا فرمانبرداریاں نوں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی قدر ہے:

لا یومن احدکم حتی یکون ہوا لا تبعًا لہا جئت بہ
ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ
اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بارگاہ رسالت مآب میں طریقہ حاضری
آداب مجالس الحدیث کو صحیح طور پر بجالانے کے لیے ضروری ہے کہ حضرات
صحابہ کرام کے طرز عمل اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی حاضری کے انداز
پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت فرمودہ اس گروہ قدسی صفات
کے احوال سے رہنمائی مل سکے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں
لکھتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وما کان احدا حب الی من رسول اللہ ﷺ ولا اجل فی عینی منہ
وما کنت اطيع ان املا عینی منہ۔

۱- تفسیر ابن کثیر، الحجرات: 2

۲- الشفاء بتعریف المصطفیٰ 30/2

ترجمہ: میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا اور نہ ہی میری نظروں میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی معزز تھا اور نہ ہی کوئی مجھے کبھی آپ ﷺ کی طرف آنکھ بھر کے دیکھنے کا حوصلہ ہوا تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ، مہاجرین و انصار کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہ میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود ہوتے تو صحابہ کرام میں (غلبہ ادب) سے باعث کوئی حضور ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا سوائے ابو بکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے کہ بس یہ دونوں آپ ﷺ کی طرف تبسم سے دیکھتے اور آپ ﷺ ان دونوں کی طرف تبسم فرماتے ہوئے دیکھتے۔^۱

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولہ کانما علی رؤسہم الطیر^۲

ترجمہ: میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ کے صحابہ آپ کے گردیوں بیٹھے ہوئے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یقرعون بابہ بالاظافر

ترجمہ: حضور ﷺ کے صحابہ آپ کے دروازوں پر ناخنوں سے دستک دیا

کرتے تھے۔

۱- سنن ترمذی: 208/2

۲- الشفاء: 31/2

صحابہ کرام پر عظمت و جلالت و رسالت کا ایسا غلبہ رہا کرتا تھا کہ بعض اوقات کوئی بات پوچھنا ہوتی تو جھجک اور ہیبت کے باعث طویل مدت گزر جاتی اور بات نہ ہو پاتی تھی۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بار میں چاہتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملے میں سوال کروں لیکن غلبہ ہیبت کے باعث میں نے کئی سال اسے مؤخر کئے رکھا۔

سلف صالحین کا طریقہ اور ائمہ متقدمین کا شیوہ ادب

حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کے احترام و عظمت کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے ایک فصل قائم کی ہے۔

حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جان لو! حرمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعظیم و توقیر کا پاس کرنا بعد از وصال بھی ویسے ہی لازمی ہے جیسا کہ عین حیات ظاہری میں تھا۔ یہ ادب آپ کے ذکر خیر کے وقت، آپ کی حدیث اور سنت کے بیان کے وقت اور آپ کے نام نامی اور سیرے طیبہ کی سماعت کے وقت اور آپ کی آل و عترت کے معاملے میں اور آپ کے صحابہ اہل بیت کی تعظیم کے حوالے سے ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حضرت ابو ابراہیم التیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہر مومن پر واجب ہے کہ جب آپ ﷺ کا تذکرہ کرے یا اس کے سامنے آپ کا تذکرہ خیر ہو تو وہ خشوع و خضوع کا مظاہرہ کرے اور ادب بجالائے، حرکات سے باز رہے اور آپ کی ہیبت و جلال کو ایسے اپنے اوپر طاری کرے جیسا کہ اگر وہ ”بنفسہ“ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو کرتا اور ایسا ادب اختیار کرے جیسا کہ اللہ نے ہمیں ان کا ادب سکھایا ہے۔ قاضی

عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے سامنے جب نبی کریم ﷺ کا ذکر پاک آتا تو ان کا رنگ فق ہو جاتا اور گلارندھ جاتا یہاں تک کہ ہم نشینوں پر یہ گراں گزرنے لگا، ایک دن جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جو میں نے دیکھا ہے اگر تم دیکھتے تو مجھ پر انکار نہ کرتے۔ میں نے محمد بن المنکدر کو دیکھا اور وہ قراء کے سردار تھے کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہم نے ان سے کسی حدیث کے بارے میں پوچھا ہو اور وہ رونہ پڑے ہوں۔ یہاں تک کہ ہمیں ان پر رحم آتا تھا اور یقیناً میں نے جعفر بن محمد کو دیکھا اور وہ نہایت ہی خوش طبع اور خندہ رو تھے، لیکن جب ان کے سامنے تذکرہ نبوی ہوتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو ان کا رنگ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے ان کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور ان کی زبان ہیبت نبوی کے باعث منہ کے اندر خشک ہو گئی ہے۔ میں عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو وہ ایسے روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے اور میں نے حضرت ظنون مصری علیہ الرحمہ کو دیکھا وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوش رہنے والے اور مجلسی آدمی تھے۔ جب ان کے سامنے ذکر حبیب چھڑتا تھا تو ایسے ہو جاتے جیسے نہ تم انہیں جانتے ہو نہ وہ تمہیں جانتے ہیں۔ میں حضرت صفوان بن سلیم علیہ الرحمہ کے ہاں گیا وہ کثرت سے عبادت و ریاضت کرنے والوں میں سے تھے۔ جب ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو وہ روتے اور اس تسلسل سے روتے کہ اہل مجلس انہیں اس حال میں چھوڑ کر ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔

جب لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیادہ آنے لگے۔ تو ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کسی کو مستملی بنا لیں کہ وہ لوگوں کو حدیث سنایا کرے (مستملی وہ ہوتا ہے

کہ شیخ سے حدیث سن کر لوگوں کو بلند آواز سے پڑھ کر سنا دے) تو آپ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

(الحجرات: 2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو۔ سو آپ کی حرمت حیات و وفات دونوں صورتوں میں برابر ہے۔

حضرت امام عبدالرحمن بن مہدی علیہ الرحمہ جب حدیث کی قرأت فرماتے تو شاگردوں کو خاموشی کا حکم دیتے تھے اور کہتے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

(الحجرات: 2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو۔ اس سے استدلال کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی حدیث پڑھتے وقت خاموشی ویسے بھی لازم ہے جیسا کہ (براہ راست) آپ ﷺ کا کلام سنتے وقت واجب ہے۔ یہ ہمارے اسلاف و صالحین کا طرز عمل تھا اور ہمارے ائمہ متقدمین کا شیوہ ادب تھا، آداب رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے تابعین، اتباع تابعین، اور ائمہ متقدمین نے بھی کمال درجے کے نمونے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔

مجالس حدیث بالمعنی مجالس نبوی ہیں

مجالس الحدیث بالمعنی مجالس نبوی ہی ہیں اور اپنی نسبت کے اعتبار سے اسی احترام اور تعظیم کی متقاضی ہیں جیسا کہ اسلاف کی تعلیمات سے واضح اور ائمہ کے

احوال سے روشن ہے۔ مجالس الحدیث میں حاضری دینے والوں کو چاہیے کہ لباس، بدن اور قلب و روح کی طہارت کا خاص خیال رکھے، کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت و سماعت کے اوقات میں ظاہری و باطنی نفاست و لطافت کا اہتمام کرنا از حد ضروری ہے۔

اس سلسلے میں لا پرواہی یا کوتاہی بعض اوقات کسی بڑی دینی و ایمانی محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ البتہ دکھاوا، نمائش اور بناوٹ مقصود نہ ہو بلکہ خالصتاً بوجہ اللہ ہو۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حضرت احمد بن فضلویہ علیہ الرحمہ بہت بڑے زاہد اور مجاہد تیر انداز تھے وہ فرماتے ہیں۔ میں نے کبھی کمان کو اپنے ہاتھ سے بے وضو نہیں چھوا، جب سے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان اپنے دست مبارک میں پکڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بظاہر ادنیٰ سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کرتا۔ اس لیے ہمیں اپنے فہم ناقص کے مطابق اظہار عشق کرنے کی بجائے سرکار ختم مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال و عظمت کو ہیبت زدہ دل کی قوت کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی نسبت کا کوئی اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے منافی نہیں ہونا چاہیے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان روح و قلب کو ہوش و حواس سے بیگانہ نہیں کرتا بلکہ انہیں وہ بیداری عطا فرماتا ہے کہ جو کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔

آداب مجالس حدیث برائے حاضرین و سامعین

خوشبو، طہارت، مسواک، اچھی وضع، سب سے پہلے اپنے دلوں میں یہ یقین پیدا کریں کہ ہم ایک عظیم دینی سعادت حاصل کرنے آئے ہیں کوئی بھی دینی سعادت ادب اور ہیبت کو غالب رکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے مجالس حدیث میں شرکت کی خاطر گھر سے نکلتے ہی خود کو صلوٰۃ و سلام میں مشغول کر دیں۔ اور با وضو رہنے کا اہتمام کریں۔ یہ بات ہر حال میں مد نظر رکھیں کہ ہم رب ذوالجلال کی حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء میں شریک ہیں۔ جس حلیے اور وضع قطع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہونے کی ہمت نہیں کی جاسکتی، اس حلیے اور اس وضع قطع کے ساتھ مجالس الحدیث میں آنا سخت بے برکتی اور جسارت کی بات ہے اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے، بہت چھوٹے بچوں کو ساتھ لے جانے سے مجلس کے آداب متاثر ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ جو یکسوئی واجب ہے اس میں بھی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت ادھر ادھر متوجہ ہونا بڑی بے ادبی اور محرومی کی بات ہے۔ اس طرح نعرے لگانے کی رسم بھی دو اسباب کی بناء پر قابل ترک ہے پہلا سبب یہ ہے اس کی وجہ سے مجلس میں چھائی ہوئی تعظیم اور ہیبت کی فضا متاثر ہوتی ہے اور دوسرے یہ روافض اور بازاری لوگوں کا معروف شعار ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے بھی صحابہ کرام کو روک دیا تھا۔

حاضرین کے لیے ضروری ہے کہ یکسوئی کے ساتھ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کریں۔ مختصر یہ کہ محبت اور اتباع کے عزم کے ساتھ ایسی مجالس میں حاضری دینی چاہیے اور ان کو دوسری عام مجالس پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

پیش نظر ارمان عقیدت بعنوان ”مجالس الحدیث“ بارہ دروس حدیث کا مجموعہ ہے، جس میں احادیث صحیحہ کی آسان اور جامع شرح پیش کرنے کی عاجزانہ سعی کی گئی ہے، تاکہ فیوض حدیث کے طلبگار اپنی علمی، فکری اور روحانی پیاس کسی حد تک بجھا

سکیں۔ کتاب کی طباعت کا شرف دارالاحلاص لاہور کے حصہ میں آیا ہے، ماہانہ دروس حدیث کی تحقیق و تدوین کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، خدا کرے یہ معطر و معنبر مجالس جنت کے باغات بن کر مہکتی رہیں اور اہل نسبت و محبت ان عطریات سے اپنے قلوب و اذہان کو مزید مشکبار اور تابناک بناتے رہیں۔ حق تعالیٰ شانہ و ابستگان دارالاحلاص کے علم و عمل اور اخلاص میں مزید اضافہ اور برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

خاک راہ اہل اخلاص

محمد شہزاد مجتہد دی

۷ رجب المرجب 1435ھ / مئی 2014ء





درس حدیث نمبر: 1

(حدیث نیت)

اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے

حدیث نیت

الْحَمْدُ لِلَّهِ مُحَمَّدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَا بَعْدُ!
فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ⑤

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

حدثنا الحمیدی عبداللہ بن الزبیر قال: حدثنا سفيان قال:

حدثنا يحيى بن سعيد الانصاري قال: اخبرني محمد بن ابراهيم

التيبي: انه سمع علقمة بن وقاص الليثي يقول: سمعتُ عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم يقول: اِمَّا لَاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِمَّا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا

نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، اَوْ اِلَى اِمْرَاةٍ يَنْكِحُهَا،

فَهِجْرَتُهُ اِلَى مَا هَا جَرَ اِلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (جب کہ وہ منبر پر تھے)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، اور ہر کسی

۱- بخاری، کتاب بدء الوحی، باب: کیف کان بدء الوحی اِلَى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جامع الترمذی مع تحفة

الاحوذی: فضائل الجہاد، رقم: 1518: فتح الباری 1/1 عون المعبود 2/355 الجامع الصغیر 1/201

مجمع الزوائد 1/6 سبل السلام 4/214 مختصر المقاصد الحسنة: ص 236 رقم: 1154

کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس کسی نے دنیا کی طرف حصول دنیا کے لیے ہجرت کی یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہوگی۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل بخاری علیہ الرحمہ نے صحیح بخاری میں اس حدیث کو سات جگہ درج کیا ہے، سب سے پہلے آغاز کتاب بدء الوحی میں پھر کتاب الایمان، کتاب النکاح، کتاب العتق، کتاب الحج، ترک الخلیل اور پھر کتاب النذر میں روایت کیا ہے، اس حدیث کے الفاظ صحیح بخاری میں دو طرح آئے ہیں:

1- انما الاعمال بالنیات

2- انما الاعمال بالنية

شرح حدیث

اس حدیث کا مرتبہ اپنے مندرجات و معانی و احکام کے اعتبار سے بھی نہایت بلند ہے، جبکہ اس کی صحت پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے، اور فقہاء کرام نے اسے قواعد ایمان اور دینی اصولوں کے لحاظ سے بنیادی ستون اور اہم رکن کا درجہ دیا ہے۔

ائمہ حدیث و فقہ نے جہاں اس حدیث شریف کی روشنی میں احکام شرعیہ و مسائل دینیہ کا استنباط و استخراج کیا ہے، وہاں حضرات صوفیہ کرام نے اصلاح احوال اور تزکیہ و تصفیہ کے حوالے سے بھی اس حدیث سے رہنما اصول اخذ کیے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں نیت کی صحت اور درستی کس قدر ضروری ہے اور قبولیت اعمال میں اصلاح نیت کا کتنا دخل ہے اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کے لیے اس حدیث پاک کی تفہیم بے حد ضروری ہے۔

ائمہ حدیث نے اپنی کتب کے آغاز میں اس حدیث کو درج کرنے کی حکمت بھی یہی بیان کی ہے، تاکہ دینی خدمت سرانجام دیتے ہوئے رضائے الہی کا حصول

اور اخلاص فی العمل کا جذبہ پیش نظر رہے، چنانچہ امام ابو سعید عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ سے منقول ہے: جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرے تو اس کی ابتداء اس حدیث سے کرے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان

یہ حدیث فقہ کے ستر بابوں میں جاری ہو سکتی ہے نیز فرماتے ہیں: اس حدیث میں ایک تہائی علم داخل ہے۔ امام حافظ ابو بکر اللیثی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ”مختصر السنن“ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے اسی قول کا مطلب لکھا ہے فرماتے ہیں: بندے کے کاموں کا مدار دل، زبان اور نیت پر ہے لہذا نیت ان تینوں میں سے ایک قسم ہوئی اور یہ قسم دونوں سے زیادہ بھاری ہے، اس لیے کہ یہ مستقل عبادت ہے دوسری قسموں میں ایسا نہیں ہے کیونکہ قول و عمل میں ریا کا دھوکہ ہو سکتا ہے اور نیت میں ریا نہیں ہے۔

نیت کے لغوی معنی

امام ابو زکریا محی الدین النووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اس حدیث کے معنی ہوں گے کہ اعمال شرعیہ نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتے جس شخص نے اپنی ہجرت سے رضائے الہی کا ارادہ کیا اور جس نے اپنی ہجرت سے دنیا کا ارادہ کیا تو اس کے لیے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عبادات مثلاً وضو، غسل، تیمم، نماز، زکوٰۃ، روزہ، اعتکاف، حج وغیرہ سب میں نیت شرط ہے۔

اہل لغت نے نیت کا معنی قصد بیان کیا ہے، جبکہ اصطلاح شرح میں کسی عمل کو اخلاص قلبی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے سرانجام دینا حسن نیت کہلاتا ہے۔ امام ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، مسند احمد اور سنن نسائی میں

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

من غزا فی سبیل اللہ ولم ینوالا عقالا فلہ ما نوی ۱

ترجمہ: جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اونٹ کی رسی کے حصول کا ارادہ کیا تو اس کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ یعنی اجر و ثواب سے ایسا شخص محروم رہتا ہے۔

ابن ماجہ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

یحشر الناس علی نیاتہم

ترجمہ: لوگ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

ابن ابی الدنیانے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے:

لا عمل لمن لا نية له ولا اجر لمن لا حسبة له

ترجمہ: جس کی نیت نہیں اس کا عمل نہیں اور اخلاص کے بغیر عمل کا اجر نہیں۔ ۲

نیت کی فضیلت

علامہ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ اس کی شرح میں مزید لکھتے ہیں: اعمال کی

اصلاح اور قبولیت کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ اول یہ کہ عمل اپنے ظاہر میں سنت کے

مطابق ہو اور دوسرا یہ کہ عمل اپنے باطنی پہلو سے رضائے الہی کے حصول پر مبنی ہو۔

سیدنا فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ اس آیت کریمہ: لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ

عَمَلًا (الملک: 2) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اخلصه و اصبوه ترجمہ (تا کہ اللہ

۱- سنن نسائی: کتاب الجہاد، باب من غزا فی سبیل اللہ

۲- جامع العلوم والحکم: ص، 20

تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون خالص اور درست عمل کرتا ہے (پھر فرمایا: اگر عمل خالص ہو لیکن درست نہ ہو تو بھی قبول نہیں ہوتا ہے اور اگر عمل درست ہو اور خالص نہ ہو تو بھی قابل قبول نہیں ہے یہاں تک کہ خالص اور درست ہو جائے، اور فرمایا: خالص تب ہوگا جب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا اور درست اس وقت ہوگا جب عین سنت کے مطابق ہوگا۔

حافظ ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حضرت سیدنا فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ کا یہ قول اس ارشاد ربانی پر دلالت کرتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ
بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (الكهف: 110)

ترجمہ: جو بھی اپنے رب سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہے وہ نیک اعمال بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں: مراتب عالیہ کا مدار صوم و صلوٰۃ پر نہیں بلکہ ارادوں پر ہے۔ نیت کی اہمیت کا مزید اندازہ اس حدیث نبوی سے بھی ہوتا ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَيْتُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ

ترجمہ: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

کیونکہ نیک ارادہ کرتے ہی اس کا اجر و ثواب نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے اور حسن نیت کا ثواب فوری طور پر اسے مل جاتا ہے۔

حضرات محدثین کی تصریحات کے مطابق ضعف اسناد کے باوجود تعدد طرق کی وجہ سے یہ روایت درجہ حسن کی ہے۔ حسن نیت کے ثمرات و فوائد کے حوالے سے ائمہ تصوف و حدیث کی طرف رجوع کیا جائے تو قابل قدر رہنمائی ملتی ہے۔

چنانچہ امام ابو زکریا محی الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے: مجھے پسند ہے کہ لوگ اس کی اہمیت کو سمجھ لیں اور میری طرف کوئی بات منسوب نہ ہو۔ نیز امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: میں نے کسی سے مناظرہ غلبہ حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا بلکہ مجھے محبوب ہے کہ مناظرہ کے وقت فریق ثانی کی طرف سے حق ظاہر ہو جائے، نیز آپ ہی سے منقول ہے کہ میں نے جن سے بھی گفتگو کی یہی پسند کیا کہ فریق ثانی کو ہدایت و توفیق دی جائے اور اس کی مدد کی جائے اور اللہ کی جانب سے اس کی حفاظت و نگرانی ہو۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ جو کہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے شاگرد ہیں۔ ان سے منقول ہے۔ اپنے علم سے ذات حق کی نیت کرو میں جس مجلس میں تواضع کی نیت سے بیٹھا تو اٹھنے سے پیشتر ہی لوگوں پر بلند رہا اور جس مجلس میں بلندی کی خاطر بیٹھا اٹھنے سے پیشتر ہی رسوا ہوا۔

نیت کا ثمرہ

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله تعالى كتب الحسنات والسيئات فمن هم لحسنة فلم يعبلها كتبها الله عنده حسنة كاملة و ان هم بها جعلها كتبها الله عشر حسنات الى سبع مائة ضعيف الى اضعاف كثيرة۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ دیا ہے جس شخص نے نیکی کا

۱۔ صحیح بخاری: کتاب الرقاق، باب من هم بحسنة اوسیئة: 960/2

ارادہ کیا اور پھر اس کو نہ کیا اللہ تعالیٰ (اس ارادہ کے بدلے) کامل نیکی اپنے پاس لکھ لیتا ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا پھر اس کو کر بھی دیا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دس نیکیاں لکھ لیتا ہے سات سو تک اور اس سے بھی زیادہ۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کے بارے میں جو خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوگا ارشاد فرمایا:

يَخْسِفُ بَاوْلَهُمْ وَاٰخِرَهُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ كَيْفَ يَخْسِفُ بَاوْلَهُمْ وَاٰخِرَهُمْ وَفِيهِمْ اَشْرَافٌ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَقَالَ يَخْسِفُ بَاوْلَهُمْ ثُمَّ يَبْعَثُونَ عَلَيْهِمْ نِيَاتِهِمْ۔^۱

ترجمہ: ان کا اگلا اور پچھلا حصہ دھنسا دیا جائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ان کا اگلا اور پچھلا حصہ کیونکر دھنسا دیا جائے گا جب کہ ان میں دیندار بھی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جو اپنی مرضی سے نہیں آئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تو پورا لشکر دھنسا دیا جائے گا لیکن پھر اپنی نیتوں کے موافق اٹھائے جائیں گے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا هَجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ۔^۲

ترجمہ: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء نے حدیث ”لا ہجرت بعد الفتح“ کے مختلف معنی بتائے ہیں۔

۱- ریاض الصالحین کتاب المامورات، باب الاخلاص: 13/1

۲- صحیح بخاری: کتاب الجہاد، باب فضل الجہاد والسير: 390/1

بعضوں نے کہا اب مکہ سے ہجرت باقی نہیں رہی اس لئے کہ وہ دارالاسلام ہو گیا ہے، بعض نے کہا فتح مکہ کے بعد ہجرت کی پہلی سی فضیلت باقی نہیں رہی لیکن دارالکفر سے ہجرت اب بھی واجب ہے، جب کہ ہجرت کی قدرت ہو اور دارالکفر میں دین اسلام کے اظہار پر قدرت نہ رہے تو پھر دارالکفر سے ہجرت مستحب ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو میسرہ بن عمر بن شریک تابعی کوفی ہمدانی رضی اللہ عنہ (میم کے سکون اور دال مہملہ کے ساتھ) سے منقول ہے: کہ جب وہ اپنا روزینہ (یعنی اجرت) لیتے تو اس میں سے کچھ صدقہ کر دیتے جب گھر پہنچتے شمار کرتے تو پورا پاتے انہوں نے اپنے بھتیجے سے کہا تم ایسا نہیں کرتے، بھتیجے نے جواب دیا اگر ہمارے روزینہ (یعنی اجرت) میں کمی نہ ہو تو ہم بھی ایسا کریں۔ ابو میسرہ نے کہا میں نے تو اپنے پروردگار سے یہ شرط نہیں لگائی۔

دنیا و آخرت کی بھلائی پانچ چیزوں میں ہے

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: دنیا و آخرت کی بھلائی پانچ باتوں میں ہے نفس کا غنی ہونا، تکلیف دہی سے رکناء، حلال روزی، لباس، تقویٰ اور ہر حال میں اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھنا۔

سید محترم حماد بن سلمہ علیہ الرحمہ سے منقول ہے اور آپ کا شمار ابدال میں ہے

جس شخص نے حدیث غیر اللہ کے لیے طلب کی حدیث نے اس کے ساتھ مکر کیا۔

سید محترم احمد بن ابی حواری نے اپنی تصنیف کتاب الزہد میں فرمایا: اور میں ان شاء اللہ اس کتاب سے چند نفیس باتیں نقل کروں گا ابھی تک مجھے اس کتاب کی سند نہیں مل سکی لیکن میرے پاس اس تصنیف کا عمدہ محقق نسخہ موجود ہے۔

بعض اہل علم و خبر نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ (امام) دارقطنی کے قلم سے ہے ہم سے اسحق بن خلف نے بواسطہ حفص بن غیاث نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن الاسود بغیر نیت کے کھانا بھی نہیں کھاتے تھے (فرماتے ہیں) میں نے اسحق سے پوچھا کھانے میں کیا نیت؟ انہوں نے فرمایا کھانا کھا کر نماز پڑھتے، جب نماز سے تھک جاتے تو مختصر پڑھتے تاکہ نشاط رہے جب مختصر پڑھتے تو کمزور پڑ جاتے، لہذا کھانا کھاتے تاکہ نماز پر قوت رہے تو ان کا کھانا اور نہ کھانا نماز کے لیے ہوتا۔ (مخفف) کے معنی نشاط، سہولت اور درازی کے ہیں (حواری) ر کے فتح اور کسرہ کے ساتھ ہے، کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے، فتح کے ساتھ کئی مرتبہ میں نے اپنے شیخ حافظ ابی البقاء سے سنا ہے وہ اس لغت کو ثقہ لوگوں سے نقل کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نیز احمد بن ابی حواری ابو سلیمان دارانی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے اللہ سے اپنے دلوں کے ساتھ معاملہ کرو، یعنی اپنے قلوب کو پاک و صاف اور مہذب بناؤ، اور اعمال ظاہری میں سے کسی چیز کو نہ چھوڑو (درانی) دوسرے الف کے

۱۔ علم کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے اور حدیث جو خلاصہ علم ہے اس کو اچک لینے والا شیر کہا گیا ہے اور اس شیر پر غلبہ پانے کی اللہ کی مدد اور تقویٰ و حسن نیت کے علاوہ کوئی سبیل نہیں ہے، اسی صورت میں یہ زیر نگین ہو سکتا ہے اور اس شیر پر غلبہ پانے کے بعد بھی ہوشیاری و بیداری کی ضرورت ہے اس لیے کہ ذرا غفلت ہوئی اور مارے گئے۔ یہی مطلب ہے حماد بن سلمہ کے قول کا کہ حدیث جب غیر اللہ کے لیے طلب کی جائے تو وہ اپنے ساتھی کے ساتھ مکر کرتی ہے۔ ۱۲ منہ

بعد نون کے ساتھ ہے۔ بعضوں نے بجائے نون کے ہمزہ کے ساتھ کہا، نون کے ساتھ زیادہ مشہور اور مستعمل ہے اور ہمزہ کے ساتھ اصل سے زیادہ قریب ہے یہ (دارنا) کی طرف منسوب ہے جو دمشق کے قریب ایک بڑی اور نفیس بستی ہے۔

ابوسلیمان بڑے اولیاء اللہ میں سے صاحب کرامات و حال اور صاحب حکمت تھے آپ کا نام عبدالرحمن بن احمد بن عطیہ ہے میں ان شاء اللہ عنقریب ان کی چند نادر باتیں ذکر کروں گا اور وہ قرب و جوار دمشق کے متاخرین میں سے ہیں فرماتے ہیں: کسی نے صرف نماز و روزہ کی زیادتی سے اس چیز کو نہیں پایا جو ان کے پاس ہے مگر سخاوت نفس، سلامت طبع اور امت کی نصیحت کے ذریعہ سے۔

ہمارے امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: جس شخص کی خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ بھلائی کے ساتھ اس کا فیصلہ کرے، اسے چاہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھے۔ محمد بن ادریس علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے ابوقبیسہ سے سنا کہ انہوں نے سفیان ثوری علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔ ترجمہ: میں نے اپنے رب کی طرف (کفاحا) بغیر حجاب کے نظر کی تو فرمایا اے ابن سعید تجھے میری رضا مبارک ہو۔ بے شک (اظلم الدجا) رات کی اندھیروں میں شوق کے آنسوؤں اور (عمید) دل مشتاق کے ساتھ بہت زیادہ کھڑا ہونے والا تھا۔

تیرے سامنے ہے جو نسا محل چاہے پسند کر لے، اور میری ملاقات کے شرف سے تو لطف اندوز ہو کیونکہ میں بھی تجھ سے دور نہیں ہوں۔

یحییٰ بن معاذ رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کتنے ہی استغفار کرنے والے ہیں جن پر غصہ ہے اور کتنے خاموش ہیں جن پر رحم کیا جا رہا ہے، یہ اللہ سے استغفار کر رہا

ہے لیکن دل بدکار ہے، اور وہ چپ ہے لیکن دل ذاکر ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگوں کے سر پر اعمال نامے پیش ہوں گے اور اللہ عزوجل کے سامنے انہیں کھولا جائے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے ان کے کچھ اعمال رد کر دو اور کچھ اعمال رکھ لو، تو ملائکہ عرض کریں گے تیری عزت کی قسم، اس اعمال نامے میں ہم نے خیر ہی خیر دیکھی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس بندے کو معلوم ہے کہ یہ میرے علاوہ کسی اور کے لیے کئے گئے تھے اور آج میں صرف ان اعمال کو قبول کروں گا جو صرف میری رضا کے لیے کیے گئے تھے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کی قبولیت کا دار و مدار بھی حسن نیت پر ہے اور حسن نیت کا مطلب ہے کہ نیک عمل کرنے والا اپنے مالک و مولا کی رضا کا ارادہ کرے اور اس کے سوا کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ کرے۔ چنانچہ حضرت ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں بہترین شریک ہوں تو جس نے میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک ٹھہرایا تو وہ عمل میرے شریک کے لیے ہوگا۔ اے لوگو! اپنے اعمال کو اللہ کے لیے خالص رکھو تو یقیناً اللہ تعالیٰ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اس کے

۱- بستان العارفین، ص 76-70

۲- سنن دارقطنی: 1/151

امام بیہقی نے اسے مجمع الزوائد (350/10) میں نقل کر کے کہا، اسے طبرانی نے ”اوسط“ میں دو اسناد سے روایت کیا ہے جس میں سے ایک کے رواۃ صحیح کے رجال ہیں۔ (رواہ البرزازی)

لیے کیا گیا ہو، اور یوں نہ کہا کرو کہ یہ اللہ اور اقارب کے لیے ہے ورنہ اس میں سے اللہ کے لیے کچھ نہیں رہے گا۔ اور یوں نہ کہو کہ یہ اللہ کے لیے اور تم لوگوں کی خاطر ہے ورنہ وہ تمہاری خاطر ہی رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں رہے گا۔ اس حدیث میں بندگان خدا کے اعمال کے سلسلے میں غیرت الہیہ کا شان دار اظہار ہوا ہے لہذا اپنے ارادے اور عمل کی تطہیر کے لیے صدق دل سے اہتمام کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت امام حارث محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

التطہیر خیر من عمل البر دون تطہیر

ترجمہ: تزکیہ نفس کے بغیر کیے جانے والے نیک عمل سے تزکیہ (کی کوشش کرتے

رہنا) بہتر ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نیت سیکھو! یہ عمل سے زیادہ رسائی رکھتی

ہے۔

حضرت داود طائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے خیر کو حسن نیت میں مندرج

پایا ہے، یہ تمہیں بھلائی کے ساتھ کفایت کرتی ہے اگرچہ تم اس پر عمل نہ بھی کر سکو۔

آپ مزید فرماتے ہیں: نیکی صاحب تقویٰ کے ارادے کا نام ہے اگرچہ اس

کے وجود کے تمام اعضاء محبت دنیا سے وابستہ ہوں تو بھی اس کی نیت ایک دن اسے اس

کی اصل کی طرف لوٹا دے گی۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے کسی سخت چیز کا

علاج نہیں کیا جو مجھ پر نیت سے زیادہ سخت ہو کیونکہ یہ اپنی حالت تبدیل کرتی رہتی

ہے۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے: جو چاہے کہ اس کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچے تو وہ اپنی نیت کو اچھی رکھے کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے حسن نیت کی وجہ سے اجر عطا کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے لقمہ پر بھی اجر دیتا ہے۔ عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمہ سے مروی ہے فرمایا:

کبھی چھوٹا عمل حسن نیت سے بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی بڑا عمل نیت کی خرابی کی وجہ سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔

نیت دل کا فعل ہے

علماء کرام نے جو نیت نماز کے بارے میں کہا ہے کہ دل سے نیت کرنے کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی درست ہے۔ حذانکہ زبان سے نیت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے اور نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ وہ زبان سے بھی نیت کرتے تھے، بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیر تحریمہ کہتے تھے تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو بھی حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر سمجھتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمے کا بھی باعث ہے۔ کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر ہی کفایت کر بیٹھیں گے اور دل سے غفلت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیت قلبی بھی چھوٹ جائے گا اور اس سے نماز ہی فاسد جاتی ہے۔

۱- جامع العلوم والحکم: ص 21، ط بیروت

۲- مکتوبات امام ربانی: دفتر اول، مکتوب: 186

اس سلسلہ میں مزید دیکھئے: حاشیہ الطحاوی، ص 120 طبع کراچی، الشرح الکبیر: 256/1 المنیہ: ص 18.17 حلیۃ العلماء: 14.40/2 زاد المعاد 202.201/1 فتح القدر: 227.226/1، البحر الرائق: 346/2، 293/1 النکت: 173، 172/1 وغیرہ ذالک۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا فرمان

شُرک فی العبادات کے حوالے سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
 وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں اور اکثر ان کے
 ناموں کو فرضی طور پر گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں اور افطار کا
 خاص اہتمام کرتی ہیں یا مقرر کرتی ہیں وغیرہ یہ سب عبادت میں شرک ہے۔ لے
 روزے کے علاوہ بھی عبادات میں اخلاص شرط ہے ورنہ ثواب تو کجا الٹا سزا کا
 مستحق ٹھہرے گا۔ (العیاذ باللہ عزوجل)
 الغرض علم، عمل اور اخلاص کی جائی کے بغیر عمل قبولیت کے لائق نہیں ہو پاتا
 ہے۔

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!
 والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

شفاء شریف

امام الحدیث حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزے اور آپ کی توقیر و تعظیم موت کے بعد لازم ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں لازم تھی۔ اور یہ آپ کے ذکر آپ کی حدیث و سنت اور آپ کے نام و سیرت آپ کی آل و عترت و عزت اہل بیت و صحابہ کے ذکر کے وقت ہے۔

درس حدیث نمبر: 2

الدِّينُ النَّصِيحَةُ
(دین خیر خواہی ہے)

دین خیر خواہی ہے

أَحْمَدُ لِلَّهِ تَحْمِيدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۵۶﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

عن ابی رقیة تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ

قال: الدین النصیحة (ثلاثاً) قلنا لمن (یا رسول اللہ ﷺ) قال: لله

(عزوجل) ولکتابہ ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتہم۔

ترجمہ: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین خیر خواہی (کا نام) ہے ہم نے عرض کیا حضور کس کی خیر خواہی کریں،

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی، کتاب اللہ کی، رسول اللہ کی ائمہ مسلمین کی، اور عام

مسلمانوں کی۔

آج جو حدیث پاک ہمارے درس حدیث کا موضوع ہے اس حدیث کو بعض

۱- صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب، الدین النصیحة، رقم: 82

ائمہ حدیث اور محدثین ”ربع الدین“ کہتے ہیں۔

کل دین چار حدیثوں میں ہے

ایک تابعی بزرگ امام محمد بن اسلم الطوسی رحمہ اللہ کا فرمان ہے: اگر کل دین کو چار حدیثوں میں سمیٹا جائے تو چار حدیثیں ایسی ہیں جن کے اندر پورا دین سما جائے گا، ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ ان چار میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

امام نووی (علیہ الرحمہ) کے نزدیک کل یہ دین ہے

امام نووی امام ابو زکریا محی الدین شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ جو صحیح مسلم کے سب سے بڑے شارح ہیں، وہ فرماتے ہیں ”میری تحقیق کے مطابق جس کہنے والے نے یہ کہا کہ ”ربع الدین“ یعنی، چوتھائی دین اس ایک حدیث میں موجود ہے۔ اس نے اس حدیث پر غور نہیں کیا وہ کہتے ہیں میری تحقیق یہ ہے کہ کل دین اس حدیث میں ہے۔ کل دین، سارا فلسفہ دین، سارا علم دین سارا مقصد شریعت وہ اس حدیث پاک میں بیان کر دیا گیا ہے اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”اوتیت جوامع الکلم“ میرے پروردگار نے مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے، جوامع الکلم یعنی ایسا کلام معجز نظام جس کے اندر لفظ کم سے کم اور مفہوم زیادہ سے زیادہ۔ یہ معجزہ ہے کلام کا جو رب کریم نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

حلقہ درس حدیث کا ادب

حدیث کا جو درس ہو رہا ہوتا ہے اس میں ذرا زیادہ آداب اور ڈسپلن چاہیے ہوتا ہے ورنہ بڑا خلل پڑتا ہے، یہی وجہ ہے ہمارے برصغیر پاک و ہند میں حدیث کا کلچر عام نہ ہو سکا، آج ہمارے درس کا موضوع بھی یہی ہے۔ اس حدیث کا تعارف عرض

کر رہا ہوں اس میں اتنی جامعیت اور اتنا علم اور کس قدر وسعت ہے لیکن الفاظ صرف دو ہیں ”الدین النصیحہ“ یہ جوامع الکلم میں سے ہے امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ کل دین ہے قیامت تک شارحین اس کو کھولتے رہیں اس کی شرح کرتے رہیں تو ان کے قلم تھک جائیں، دفتر ختم ہو جائیں گے لیکن اس کی شرح ختم نہیں ہوگی، یہ عظیم الشان حدیث پاک آج ہمارے درس کا موضوع ہے اس حدیث کو جس صحابی نے روایت کیا وہ بھی قابل ذکر ہیں۔

راوی حدیث کا تعارف

حضرت تمیم داری کے نام سے عام طور پر مشہور ہیں، رقیہ ان کی صاحبزادی کا نام اور ان کی کنیت ہے، ان کا نام تمیم والد کا نام اوس تھا۔ الداران کے قبیلے کا نام تھا، اسی نسبت سے داری کہلاتے ہیں۔ یہ صحابی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے بہت ہی ممتاز ہیں۔ مثلاً یہ راہب، پادری تھے بہت بڑے عیسائیت کے عالم بھی تھے، اور عابد بھی تھے، اس زمانے میں ان کا علم بھی مشہور تھا، اور زہد بھی مشہور تھا۔ سلیم الطبع ہونے کی وجہ سے اسلام کی طرف مائل ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر مسند صحابیت پر فائز ہوئے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے تقریباً اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف ایک حدیث جو کہ مسلم میں مروی ہے جو آج کا موضوع ہے امام بخاری ان کی کوئی حدیث نہیں لائے اور امام مسلم علیہ الرحمہ ان کی صرف ایک یہی حدیث لائے ہیں اس لیے آج اس کی ایک محدثانہ حیثیت ہے جس کو علم حدیث کے طالب علم زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی کیا خصوصیت اور سبب ہے اسے پہلے برکت کیلئے بیان کر دیں۔ سب سے بڑی بات جو میرے مطالعہ میں آئی اس صحابی کے بارے میں

حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ کی زندگی کا حاصل میرے خیال میں ان کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت، اعزاز اور شرف ایمان لانے کے بعد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لی ہوئی روایت کو منبر پر بیان کیا۔ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے کچھ واقعات و روایات بیان کیے جس میں دجال سے متعلق ایک روایت بڑی مفصل ہے ان سے سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سنائی۔

روایۃ الاکابر عن الاصاغر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امتی سے لے کر روایت کر رہے ہیں۔ اس کو محدثین کی زبان میں کہتے ہیں ”روایۃ الاکابر عن الاصاغر“۔ بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا جیسے امام بخاری امام ترمذی سے کوئی روایت سن کر صحیح بخاری میں روایت کریں۔ ترمذی شاگرد ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ استاد ہیں۔ لیکن اس میدان میں کبھی یہ کسی نے نہیں سوچا کہ میں بڑا ہوں میں اس چھوٹے یا junior سے کیوں روایت کروں، کیوں بات سنوں، یا اس کو بیان کر کے آگے ریکارڈ بناؤں۔ تو یہ بڑوں کی طرف سے منتقل ہوا چھوٹوں کو اور اس سے ایک فن بھی بنتا ہے کہ کبھی بیان کرنے والا یہ مت سوچے کہ میں تو بہت ہی بہترین مقام پر ہوں اور یہ چیز جو بیان کی جا رہی ہے اس کو بیان کرنے والا چھوٹے منصب کا آدمی ہے لہذا میں اس کو اہمیت نہ دوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنت بنا دیا اس سنت کو آگے صحابہ کرام نے نبھایا اس طرح کہ بعض حدیث کے ذخیرے میں ایسی حدیثیں ہیں کہ صحابی تابعی سے روایت کرتا ہے یہ علم حدیث کا نادر ترین شعبہ ہے، وہ روایات جن کو صحابی تابعی سے سن کر روایت کرتا ہے یہ عام آدمی کے لیے بڑی عجیب بات ہے جو محدثین ہیں ان کے لیے یہ روٹین کی

چیز ہے وہ اس کو جانتے ہیں ایک عام آدمی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اوپر والا نیچے والے سے کیسے لے رہا ہے دین تو اوپر سے نیچے آیا ہے یہ کیسے ہوا کہ نیچے والے نے اوپر والے سے روایت لی اور پھر اوپر والے نے نیچے والے کو بیان کی۔ یہ ہمارے دین کا حسن و کمال ہے کہ کسی قوم یا مذہب کے پاس یہ فن موجود نہیں ہے ہمارا دین مروی بالاسناد ہے۔ یہ جو روایت میں بیان کر رہا ہوں اس کا ایک ایک راوی محفوظ ہے۔

فوائد الحدیث

اس حدیث کی سند میں امام مسلم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک درمیان میں ٹوٹل چار واسطے ہیں۔ انہیں ”رباعیات“ کہتے ہیں اس کو امام مسلم نے روایت کیا اس لیے کہا رواہ مسلم اس کے علاوہ اسے امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد بن حنبل، امام دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے، امام بیہقی نے مجمع الزوائد میں، امام طبرانی نے معجم الکبیر میں، امام ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں، امام حمیدی نے اپنی مسند میں، امام ابن ابی عوانہ نے اپنی مسند میں، امام شافعی نے اپنی مسند میں، اور امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری شرح صحیح بخاری) میں روایت کیا ہے۔ فنی اعتبار سے یہ معتبر ترین حدیث ہے یہ چند علمی فوائد تھے جو میں نے عرض کیے ہیں۔ حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: (الدین النصیحہ) gramatical حسن یہ ہے کہ دونوں لفظ معرف باللام ہیں ایک نکرہ ہوتا ہے اور ایک معرف ہوتا ہے عام و خاص عربی میں جب کسی حرف پر الف، لام آجائے تو اسے معرف باللام کہتے ہیں اس بات سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید ہو رہی ہے کہ چوتھائی نہیں بلکہ کل دین ہی نصیحت ہے، خود متن سے اس بات کی

تائید ہو رہی ہے کہ جب دونوں لفظ معترف باللام ہوں تو مطلب یہ ہے کہ صفت و موصوف ہم اعراب ہوتے ہیں اور یہ عربی میں حصر کا فائدہ دیتا ہے حصر کا مطلب ہے کہ سب اسی پر موقوف ہے اگر کوئی پورا دین چاہے تو اسے نصیحت کو اختیار کرنا ہوگا یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمائے "الدین النصیحة" دین نصیحت ہے، نصیحت کا اردو ترجمہ خیر خواہی ہے، یہ بات ذہن میں رکھ کر چلیں تو ساری بات سمجھ میں آئے گی۔ کسی کی بھلائی چاہنا صرف الفاظ سے نہیں بلکہ دل سے بھلائی چاہنا اس کی غیر موجودگی میں اس کے لیے تڑپنا، اس کے لیے فکر مند ہونا، اور فکر مند رہنا یہ سارے معانی عربی لغت میں ہیں۔

"قُلْنَا لَیْسَ" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کسے، کون کرے گا، کیسے کرے گا ذرا اس کو کھول دیں وضاحت فرمادیں، تو فرمایا: اللہ کے لیے نصیحت "وَلِکتابِہ" اس کی کتاب کے لیے نصیحت "وَلِرسولِہ" اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت "وَلِائمتِہ" مسلمان حکمرانوں کے لیے نصیحت "وَعَامَّتِہم" اور تمام عوام الناس کے لیے نصیحت، اس کو کتاب الایمان میں لائے ہیں۔ کتاب الایمان سے ہر حدیث کی بڑی کتاب شروع ہوتی ہے ایمان کے متعلقات اس میں جمع کر دیئے جاتے ہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ اگرچہ یہ حدیث نہیں لائے۔ مگر باب اسی عنوان سے باندھتے ہیں اور اس باب کے تحت حدیث لائے۔ کتاب الایمان میں درج کرنے کا از خود یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس میں جو حدیثیں لائی گئی ہیں وہ سب ایمان سے متعلق ہیں جس کے پاس ایمان ہوگا اس کے پاس یہ وصف طبعاً، ذوقاً، فطرتاً ہوگا۔ ایمان کا خاصہ ہے کچھ چیزیں ایمان کے ساتھ خاص ہیں جہاں ایمان ہوگا وہاں یہ خیر خواہی ہوگی مختلف اسناد کے ساتھ لائے ہیں اس کی شرح میں امام ابن رجب حنبلی علیہ الرحمہ تبرکاً جو روایات لائے ہیں اور وہ حدیثیں جو اس کو مزید کھوتی ہیں، یعنی

”شرح الحدیث بالحدیث“ حدیث کی شرح حدیث سے، جیسا کہ امام طبرانی علیہ الرحمہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَا يَهْتَمُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ ۚ جو شخص مسلمانوں کے احوال و معاملات سے وابستگی نہیں رکھتا وہ ان میں سے نہیں، یعنی جس بندہ کا جس گھر سے تعلق نہ ہو وہ وہاں مداخلت بھی نہیں کرتا جہاں کوئی تعلق ہو وہاں وہ اس کی خوشی و غمی میں شریک ہوتا ہے تو سادہ انداز میں بتا دیا جس شخص کو مسلمانوں کی خوشی و غمی، حالات سے کوئی تعلق و دلچسپی نہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ ان میں سے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَمَسْ وَيَصْبِحْ نَاصِحًا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِكِتَابِهِ وَلَا مَآمِهِ
وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ

جس شخص نے صبح و شام اس حال میں نہ کی اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے اس کی کتاب (قرآن) کے لیے اور حکمران وقت کے لیے اور عوام الناس مسلمانوں کے لیے وہ نصیحت کرنے والا نہ ہو، اخلاص رکھنے والا نہ ہو، ان کی خیر خواہی رکھنے والا نہ ہو، فرمایا ”فَلَيْسَ مِنْهُمْ“ وہ ان میں سے نہیں۔

حدیث قدسی کی شرح

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی لائے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اس کو اپنے پروردگار سے روایت کرتے ہیں اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں اس میں ضروری نہیں کہ درمیان میں جبرائیل ہوں، قرآن سارا بذریعہ جبرائیل نازل ہوا ہے لیکن حدیث قدسی آجائے تو بعض اوقات رب درمیان سے

جبرائیل امین کو بھی ہٹا دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قال الله (عز وجل) احب ما تعبدني به النصيحة

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری بہترین عبادت جو میرے بندے نے کی وہ

میری خاطر دوسرے کو نصیحت کرنا ہے۔

بے شمار حدیث اس میں سے چند منتخب روایات یہاں لائے ہیں۔ یہ بخاری

شریف کی روایت ہے جس کا ذکر میں نے کیا امام بخاری نے باب باندھا "الدین

النصيحة" کا اس میں جو روایات لائے یہ بھی اسی کی شرح ہے اس کے راوی حضرت

جریر بن عبد اللہ الجلی رضی اللہ عنہ ہیں، جریر بن عبد اللہ پورا نام ہے یہ وہ خوش نصیب

اور خوبصورت ترین صحابی تھے جن کے لیے ایک خصوصی اعزاز یہ تھا کہتے ہیں کہ کبھی

ایسا ہوا ہی نہیں کہ حضور ﷺ نے میری طرف دیکھا ہو اور مسکرائے نہ ہوں ان کے دو

دانتوں کے درمیان ایک نور سا پھوٹتا رہتا تھا ایک شعاع سی پھوٹی رہتی تھی اور حسن و

جمال میں تو یہ یوسف ثانی تھے تو ہمارے آقا ﷺ تو خود حسن و جمال کا پیکر تھے اور خود

فخر حسن تھے لہذا اپنے پروردگار کی سنت کی مطابق خود "جمیل و محب الجمال" تھے

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ خصوصی شرف بخشا ہوا تھا کہ زندگی بھر جب بھی ان

کی طرف نظر فرمائی مسکرائے فرمائی یہ کہتے ہیں کہ جب میں دائرہ اسلام میں داخل ہو کر

بیعت کرنے کے لیے آیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیعت کی شرط رکھی نماز قائم

کرنی ہے روزہ رکھنا ہے زکوٰۃ ادا کرنی ہے اور ایک جو خاص شرط رکھی "وَالنصيحة

لكل مسلم" ہر مسلمان کو نصیحت کرنی ہے اور صحابی بھی ایسی استقامت والے تھے

کہ زندگی بھر یہ صحابی بیعت کر لی آقا مجھے منظور ہے تو زندگی بھر اپنے اس عہد کو نبھاتے رہے جو بھی ملا ہے، کوئی گلی میں ملا، کوئی سودا لینے آیا دکان پر ملا، کسی سے سلام ہو یا کسی جہاد میں چلے گئے کسی رشتے دار کے گھر چلے گئے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہوا وعدہ پورا کیا۔ تادم آخر مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبے سے سرشار رہے اسی کیفیت میں یہ حدیث روایت کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کس کے لیے نصیحت کرنی ہے کس کو نصیحت کرنی ہے، کیوں نصیحت کرنی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ کے لیے اس کے بعد اس کی کتاب قرآن کے لیے پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پھر حکمران وقت کے لیے اور ہر عام مسلمان کے لیے سب اس دائرے میں آگئے اس لیے اسکو کہا کہ پورا ایک دین ہے تمام دینی امور اس میں آگئے۔

مومن کا مومن پر حق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ایک روایت لائے ہیں:

حَقُّ الْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتٌّ ۱

ترجمہ: ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں۔

ان چھ میں سے ایک حق یہ ہے۔

وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانصَحْ لَهُ ۲

ترجمہ: اور جب تم سے کوئی نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کرو۔

یہاں میں اس لفظ کو ذرا کھول دوں عربی میں نصیح جو ہے عربی میں آپ سنتے ہیں

نصح سے ناصح، نصیحت کرنے والا، ناصح عربی میں کہتے شہد کا چھتہ اتارنے والے کو، تو

۱- صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام: 213/2

۲- الترغیب والترہیب: رقم: 2641

اس طرح شہد الگ اور موم الگ ہو گئی یعنی مکمل ٹرانسپیرینسی کے ساتھ جب شہد refine ہو کے اپنی اصل اور صاف ستھری شکل میں آ جاتا ہے تو اسے کہتے ہیں "نصحة العسل" شہد اب بالکل صاف ہو گیا اسی طرح ایک شخص اپنے پھٹے ہوئے کپڑے گھر میں لے کر سوئی دھاگہ سے پیوند لگا رہا ہو تو یہ بھی نصیحت ہے یہ چیزیں صحابہ پر بغیر کسی شرح کے اس لیے کھل جاتی تھیں کیونکہ وہ عرب تھے۔

اسی لیے ان کو سارے پہلو پتا چل جاتے تھے صرف ایک ہی لفظ میں اس لیے جوامع الکلم کو غیر عربی حل نہیں کر سکتا، سن سکتا ہے، ایمان لا سکتا ہے، سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہہ سکتا ہے ذوقاً یا فطری طور پر اس سے محظوظ ہونے کی صلاحیت اس میں نہیں ہے تا وقتیکہ عربی لغت (ڈکشنری) کھنگال نہ لے وہ اس کی نہ تو داد دے سکتا ہے نہ صحیح معنوں میں اس سے لذت اٹھا سکتا ہے۔

اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی مجھے یاد آتے ہیں فرماتے ہیں:

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں

وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

آپ کے موجود بیان کو بیان کرنے کے لیے بڑی فصاحت و بلاغت چاہیے توفیق چاہیے یہ معجزہ کلام ہے قرآن جو ہے وہ خالق کائنات کا معجزہ ہے اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں ہے اس کا معجزہ ہوتا تو سمجھ آتا لیکن یہ وہ معجزہ ہے جو اللہ نے اپنے محبوب کی زبان پر رکھا، یعنی کلام بشر ہے قرآن بشر کا کلام نہیں ہے مگر "الدین النصیحة" یہ بشر کا کلام ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے بشر کا کلام ہو کر یہ معجزہ ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر کہا کرتے تھے حضور مائیں تو ہماری بھی عرب تھیں لیکن آپ زبان مبارک کھولتے ہیں، بیان فرماتے ہیں تو ایسے ایسے الفاظ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ گویا اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ سنا ہے عربی ڈکشنری میں بھی وہ الفاظ نہیں

ہوتے جو آپ بولتے ہیں الفاظ عربی ہیں بولنا تو کجا ہم سوچنا چاہیں تو سوچ بھی نہیں سکتے اور آپ بڑی آسانی سے وہ بول رہے ہوتے ہیں بڑی فصاحت و بلاغت و سہولت سے بیان فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں فرماتے:

”أَوْتَيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ“

میں جوامع الکلم سے نوازا گیا ہوں میرے رب نے فضل و کرم فرمایا ہے، اس حوالے سے میں ایک اشارہ کر دوں، جو ضروری ہے، وہ یہ کہ جوامع الکلم جس امت کے نبی کو عطا ہوئے ہوں اس امت کے پاس کیا طریقہ ہے ان جوامع الکلم سے فیض لینے اور استفادہ کرنے کا۔ جوامع الکلم کا مطلب کیا ہے؟ قرآن سارا کلام کے لحاظ سے مجزہ ہے الفاظ تھوڑے میں مفہوم زیادہ، مطلب یہ ہے اس کلام کو نازل کرنے والا یہ چاہتا ہے میں تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ بات پہنچاؤں اور جسے پہنچاؤں اس سے تقاضا یہ ہے کہ تو نے تھوڑے سے وقت میں اس پر عمل پیرا ہونا ہے یہ سارا اختصار کیوں ہے تمہارے پاس سب سے زیادہ اختصار ٹائم ہے پہلی امتوں میں صدیوں میں عمریں ہوتی تھیں، ہزار سال عمر والے بھی ہوتے تھے۔ ان کے پاس ٹائم بہت تھا، سوچنے سمجھنے کا غور و فکر کرنے کا اچھا کرنا ہے یا نہیں کرنا تمہیں اختصاراً سارا کچھ اس لیے دے دیا ہے اور پوری کوالٹی کے ساتھ دے دیا ہے بہترین حالت میں دے دیا ہے اس پر غور و فکر کرنے پر وقت ضائع نہ کرنا کہ کرنا ہے کہ نہیں کرنا اچھا کتنا کرنا ہے ریڑی ہر چیز دے دی ہے اور مختصر وقت میں دے دی یہ ہمارے دین کا مزاج ہے اس حدیث پاک کی برکت سے یہ عرض کر رہا ہوں یعنی قرآن و حدیث دونوں کا یہ مزاج ہے کہ لفظ تھوڑے اور مفہوم زیادہ سے زیادہ ہے تاکہ جو سنے وہ اس سے بھی تھوڑے وقت میں adopt کرے اور اس کو اپنالے اور آگے چلے۔ ہل من مزید۔ تھوڑا تھوڑا حاصل کرتا رہے دوسری ٹیکنیک عملی زندگی میں apply ہوگی

یہ بات جس میں فرمایا گیا:

مَنْ أَمَرَ لِلنَّاسِ فَاَلْيَخْفَفَ عَنْهُمْ

ترجمہ: جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس میں تخفیف کرے۔

جو میرا امتی مصلیٰ پر کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز باجماعت پڑھائے تو وہ بھی اسی فن اور اسی تاکید پر عمل کرے کہ مختصر ترین وقت لے "فَاَلْيَخْفَفَ" تھوڑا کم از کم وقت میں اپنا کام مکمل کرے یہ ٹوٹل ہے ہمارے دین کا فلسفہ اور مزاج یہ ہے کہ آپ کے پاس اتنی استعداد ہونی چاہیے کہ آپ بڑے سے بڑا کام تھوڑے وقت میں نپٹا سکتے ہوں۔ جو لوگ دنیا میں ذلیل ہو رہے ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصل سے کٹ گئے ہیں لوگوں کے مقلد بن گئے اور وہ لوگ ہمارے اصولوں کو follow کر کے ہمارے حکمران بن گئے ان کی سٹی زیادہ ہے، ریسرچ زیادہ ہے، ہمارے دین پر ہم نے انکو کیا پڑھنا ہے ان کے علوم و فنون تو بعد کی بات ہے، خود ہمارے یہاں قرآن و حدیث کا مواد اس طرح موجود نہیں جس طرح ہونا چاہیے تھا، جب علماء کے پاس اپنی لائبریریاں نہیں ہیں تو اور کہاں ہوں گی۔ اب سمجھیے! "الدِّينُ النَّصِيحَةُ" کیا ہے؟ یعنی Refine کرنا اس کو نصیحت کہتے ہیں۔ سب سے پہلے لِلّٰهِ، لِلّٰهِ کیا ہے، قرآن پاک میں یہ مضمون سورۃ توبہ میں آیا ہے۔ دوسروں کی خیر خواہی دوسروں کے لیے تڑپنا، ان کو ترغیب دینا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ

مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ط (التوبہ: 91)

ترجمہ: ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں نہ بیماروں پر نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو

جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں۔

یہ وہ لوگ تھے جو جہاد میں نہ جاسکے کسی عذر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مستثنیٰ فرمادیا کہ اگر کوئی بیمار ہے ضعیف ہے کوئی بوڑھا ہے اگر وہ جہاد میں نہ جاسکے تو ان پر کوئی حرج نہیں اگر مال بھی ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے نہیں تھا تو ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ لیکن ایک شرط پر ”إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ“ کہ وہ پیچھے رہ کر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلص رہیں، ڈنڈی نہ ماریں، منافقین ایسا کرتے تھے اگر وہ ایسا کریں تو ان کے لیے استثناء نہیں ہے استثناء ان کے لیے ہے جو پیچھے بیماری اور ضعف میں پڑے ہوئے بھی جھوم رہے ہوں کہ کاش ہم ٹھیک ہوتے، ہم جہاد میں اپنے رب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جاتے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت ہے۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں: اللہ کے لیے نصیحت یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں اپنا عقیدہ درست کرے تعلق باللہ ٹھیک کرے رب سے میرا تعلق کیسا ہے کتنا ہے، پھر عملی زندگی میں اپنے آپ کو جھانک کر دیکھے کہ کوئی عملی مظاہرہ بھی ہے کہ نہیں، اللہ کے لیے نصیحت کرنے کا پہلا مطلب یہ ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کے ساتھ ہر حال میں مخلص ہونیت میں بھی مخلص عمل اور ارادے میں بھی مخلص ہو جو کام بھی کرے، اپنے رب کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرے۔ محبت کی جو بھی بنیاد رکھے ”الحب فی اللہ“ اور ”البغض فی اللہ“ پر رکھے اللہ کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانے اس کے فرائض و واجبات کو صحیح طریقے سے ادا کرے۔

نصیحت کا مطلب کیا؟ النصیحة للہ جب دین نصیحت ہے تو وہ نصیحت کہیں اللہ سے جڑی ہوئی ہے کہیں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں اس کی کتاب قرآن سے کہیں اہل اقتدار سے جڑی ہوئی ہے اور کہیں عامۃ الناس تمام لوگوں سے جڑی ہوئی

ہے۔ اپنی پوری صلاحیت کو اپنے رب کے لیے صرف کر دینا یہ نصیحت ہے۔ ”اللہ“ یہ دوسرا پہلو دیکھیے اس میں بیٹھ کر مجمع کو نصیحت و واعظ کر دینا اور بات ہے زبان سے یہ نصیحت نہیں ہے یہ ایک ابلاغ ہے۔ نصیحت یہ ہے کہ دل میں بھی ان کی تڑپ ہو صرف ان کے سامنے نہیں بلکہ ان کی غیر موجودگی میں بھی تڑپ ہو۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انداز نصیحت

یہ جریر بن عبداللہ الجلی رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے۔ ان کے غلام نے سودا کیا کچھ تھان کپڑے کے تین سو درہم میں خریدے ہیں۔ نصیحت کی روح کھل جائے گی اوپر آپ تشریف لائے دیکھا سودا اس نے خریدا ہے۔ کسٹم بالکل راضی ہے خوشی سے سودا کر رہا ہے اپنے غلام سے پوچھا کتنے میں سودا کیا ہے ان اس نے کہا تین سو درہم کا میں نے اس لے لیا ہے۔ آپ نے بیچنے والے شخص سے فرمایا: تیرا یہ کپڑا تین سو درہم سے زیادہ کا ہے اس کی کواٹھی اس کا معیار اس سے زیادہ ہے اس نے کہا، آپ بتائیں یہ کتنے درہم کا ہے، آپ نے فرمایا: میرے خیال میں یہ تقریباً آٹھ سو درہم کا ہے۔ دکان پہ نوکر سودا کر چکا ہے وہ راضی بھی ہے خریدنے والا اور آپ مالک اوپر تشریف لا رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں کہ غلام نے بہت مہنگی چیز ستے دامن خرید لی ہے۔ یہ خیر خواہی ہے، اچھی بھلی پرافٹ آرہی ہے، مگر نصیحت کیا ہے؟ نصیحت بھی وہ ہستی کرے کہ جس نے نصیحت کا وعدہ کیا ہوا ہے، خیر خواہی پر بیعت کی ہوئی ہے، فرمایا یہ تین سو درہم کا نہیں، یہ آٹھ سو درہم کا ہے، اس کے ساتھ کھڑے ہیں اس زیادہ بھلائی جاننے والے ہیں، اپنے غلام کو کہا کہ تو آٹھ سو درہم کی چیز تین سو میں لے رہا ہے، کچھ خدا کا خوف کر، اسے آٹھ سو درہم ادا کر، پھر اسے آٹھ سو درہم دلوادینے۔

اس میں دوسری مثال ہے: سوئی دھاگہ لے کر پھٹے ہوئے کپڑے کو سینا۔ یہ

اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک بندے کے اندر تڑپ نہ ہو یہی کیفیت ہے ”ولکتابہ“ قرآن کے ساتھ مضبوط تعلق قرآن سے محبت، قرآن پاک کلام الہی ہے اللہ تعالیٰ سے کوئی گلے نہیں مل سکتا معانقہ نہیں کر سکتا وہ اس سے ماورا ہے منزہ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوری: 11)

ترجمہ: اس کی مثل کوئی شے نہیں۔

بندے کی محبت جب تک اپنے پروردگار سے نہ ہو وہ ایمان والا نہیں بن سکتا تو اس نے ایک حسی نشانی اپنی دے دی ہے اگر کبھی مجھ سے ملنے کو جی چاہے تو میرے قرآن کو دیکھ لیا کرو مجھ سے گلے ملنا ہو تو اس کو سینے لیا کر اور اگر مجھ سے گفتگو کرنی ہو تو اس کی تلاوت کر لیا کر اور اگر میرا مزاج سمجھنا ہو تو اس کا ترجمہ پڑھ لیا کر یہ سارا نصیحت ”ولکتابہ“ ہے، تعلق بالقرآن ہے ”ولرسولہ“ اس میں تعلق باللہ ”ولکتابہ“ میں آتا ہے درس قرآن، قرآن پاک کو صحیح تجوید کے ساتھ تلاوت کرنا قرآن کو سمجھنا درس و تدریس اس کو نشر کرنا یہ اس میں آتا ہے ”ولکتابہ“ مکمل نہیں ہوتا اس کو غلاف چڑھا کر خوشبو لگا کر الماری میں رکھا ہوا ہے ماشاء اللہ یہ ہماری کتاب قرآن رکھی ہوئی ہے یہ بے وفائی ہوگی ”ولرسولہ“ میں آئے گا اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق، بے پناہ محبت اور ان سے جب گفتگو یا آئے تو ان کی حدیث پڑھ لیا کرو درس حدیث کا اہتمام علوم حدیث کا پھیلاؤ نشر علوم حدیث اس کو پھیلا نا اس کو کھولنا اس کی وضاحت صراحت اس کی شروح کرنا جیسے آئمہ حدیث نے کی ہے جب بندہ ان کو کھول کر بیٹھتا ہے ایسے لگتا ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھ گیا ہے، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا سننا صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فائدہ دیتا ہے جنہوں نے اس کا ذائقہ چکھا ہے پھر وہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتے۔ پھر آئمہ مسلمین کو نصیحت یعنی وقت کے حکمران، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے حکمران کی خیر

خواہی حکمران کے لیے دعا اس کی بہتری، ان کے خلاف پروپیگنڈہ سے گریز اس کے بُرا ہونے کے باوجود اور غیبت تو بالکل نہ کریں اپنا حق مانگنا چاہتے ہیں تو مانگیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کہے کہ تیری صرف ایک ہی دعا قبول ہوگی کیا مانگتا ہے، تو فرماتے میں صرف حاکم وقت کی ہدایت کی دعا مانگتا، سارا نظام اس سے وابستہ و منسلک ہے وہ ٹھیک تو سارا نظام درست تو حاکم وقت کی خیر خواہی اسے اچھا مشورہ دینا اسے سیدھے راستے کی تلقین کرنا اسے تشبیہ کرنا اسے جھنجھوڑنا اس میں ہے لیکن جذبہ صرف خیر خواہی کا ہو پھر عامۃ المسلمین جتنے اللہ کے بندے ہیں ان سب کے لیے خیر خواہی کا جذبہ ہو، ان کی اصلاح کرنا علمی سطح پر بھی اور عملی سطح پر بھی۔

حضرت ابو بکر المزنی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت ابو بکر المزنی رضی اللہ عنہ متقی تھے بہت بڑے بزرگ تھے ان کا نام ہی

ابو بکر تھا فرماتے:

مافاق ابو بکر رضی اللہ عنہ اصحاب محمد ﷺ بصوم

ولا صلوة ولكن بشئىء كان فى قلبه

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام میں سے سب سے بلند مرتبہ پہ

فائز ہوئے تو وہ اپنے نمازوں اور روزوں کی وجہ سے نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس درد کی

وجہ سے ہوئے تھے جو ان کے سینے میں تھا۔

وہ چیز جو ان کے قلب میں تھی وہ کیا تھی:

الذی کان فی قلبہ الحب لله (عزوجل) والنصیحة فی خلقہ

ترجمہ: اپنے پروردگار سے محبت اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی۔

اس کی گواہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ”ارحم امتی بامتی ابو بکر“ فرمایا میری امت میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں تو مہربانی اور خیر خواہی کے جتنے بھی پہلو ہو سکتے ہیں وہ سارے کے سارے اس حدیث پاک میں ہیں۔

نصیحت کی اہمیت

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ہم نے کثرت صوم و صلوات سے نہیں پایا یہ کہ ہم نے تو صرف اور صرف اس نعمت کو سخاوت نفس اور سلامتی صدور (یعنی سینوں کی صفائی اور حفاظت) اور امت مسلمہ کی خیر خواہی سے پایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو فرمایا اللہ کی خاطر خیر خواہی کرنا، حضرت امام معمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں میں تمہارا سب سے زیادہ خیر خواہ وہ ہے جو تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہو اور سلف صالحین جب کسی کو نصیحت کا ارادہ فرماتے تو اس کو خلوت میں سمجھاتے یہاں تک کہ ان میں سے بعض فرماتے: جس نے اپنے بھائی کو تنہائی میں سمجھایا یعنی جو نصیحت ان دونوں کے مابین رہے یہ خیر خواہی ہے۔ جس نے اسے مجمع عام میں سمجھایا یہ اس کی رسوائی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن پردہ رکھنے والا اور خیر خواہی کرنے والا ہوتا ہے اور فاجر تو بہن

کرنے والا ہوتا ہے اور عار دلانے والا ہوتا ہے۔

حکمرانوں کو نصیحت

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم سے پہلے کے لوگ جب کسی شخص کو کسی عیب میں مبتلا پاتے، تو اس کو نرمی سے بھلائی کا حکم کرتے تھے اور اس امر و نہی کا اجر پاتے تھے، لیکن آج کل کے لوگ اپنے ساتھی کا پردہ چاک کرتے ہیں اور اپنے بھائی کو غضب ناک کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کہ حاکم وقت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیسے کیا جائے فرمایا کہ اگر تم ایسا کرنا ہی چاہو تم اس طرح کرنا کہ بات تمہارے اور اس کے مابین رہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ذمی کو نصیحت کرنا مسلمان کے ذمہ نہیں ہے لیکن مسلمان کو نصیحت کرنا اس پر لازم ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

وَالنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

ترجمہ: ہر مسلمان کے لیے نصیحت کرنا۔

یعنی یہ کہ تم مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی طور پر نصیحت کرتے رہو۔

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت ابو ابراہیم نجیبی فرماتے ہیں کہ ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ خود آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اس کے نزدیک آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو عاجزی کرے اور عزت کرے۔ اپنی حرکت کو چھوڑ دے۔ اور اس طرح آپ ﷺ کی ہیبت و بزرگی اس کو ہو، جیسے کہ آپ ﷺ کے سامنے ہوتا۔ تو آپ ﷺ کی ہیبت و عزت ہوتی۔ اور ایسا ادب کرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا ادب سکھلایا ہے۔

درس حدیث نمبر: 3

(حدیث جبرائیل)

چلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمھی تو ہو

حدیث جبرائیل

الْحَمْدُ لِلَّهِ مُحَمَّدٌ وَنُصِّبِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَا بَعْدُ!
فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

”عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن عند
رسول اللہ ﷺ ذات یوم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض
الشیاب شدید سواد الشعر لا یری علیہ اثر السفر ولا یعرفه
منا احد حتی جلس الی النبی ﷺ فاسند رکبتيه الی رکبتيه
ووضع کفیه علی فخذیه و قال یا محمد اخبرنی عن الاسلام
فقال رسول اللہ ﷺ الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان
محمد رسول الله و تقیم الصلوة و توتی الزکوة و تصوم
رمضان و تحج البيت ان استطعت الیه سبیلا قال صدقت
قال فعجبنا له یسئله و یصدقہ قال فاخبرنی عن الايمان

قال ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسوله واليوم الآخر و
تؤمن بالقدر خيره وشره قال صدقت قال فاخبرني عن
الاحسان قال ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه
يراك... الخ

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک روز
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی ہمارے پاس آیا۔
جس کا لباس نہایت سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے آثار تھے نہ ہم میں
سے کوئی اسے جانتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے گھٹنے
آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیا اور کہا:
اے محمد! مجھے اسلام کے متعلق بتائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم
گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔
نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان کے روزے رکھو اور اگر تمہیں استطاعت ہو تو بیت
اللہ کا حج کرو۔ اس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ ہم نے اس کی بات پر تعجب کیا کہ یہ
آپ سے سوال بھی کرتا ہے۔ اور آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے پھر اس نے کہا۔ مجھے
ایمان کے متعلق بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان
لاؤ۔ اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر۔ اس کے رسولوں پر۔ یوم آخرت پر اور
اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ اس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا، پھر اس نے کہا: مجھے
احسان کے بارے میں بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ
کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں

دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا۔ مجھے قیامت کے متعلق بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بارے میں مسنول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سائل (اس پوچھنے والے) سے زیادہ نہیں جانتا، پھر اس نے کہا: مجھے اس کی کچھ نشانیاں بتا دیجیے؟ آپ نے فرمایا: لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور یہ کہ تم دیکھو گے کہ ننگے بدن، ننگے پاؤں، فقیر قسم کے لوگ بکریوں کے چرواہے عمارتوں کی تعمیر میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے پھر وہ (سائل) چلا گیا پھر میں (حضرت عمر) ایک عرصہ ٹھہرا رہا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا: وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

شرح حدیث

اس حدیث مبارکہ کو اس متن کے ساتھ صحیح مسلم میں امام مسلم بن حجاج بن حسین علیہ الرحمہ نے روایت کیا، امام بخاری اس روایت کو اس متن کے ساتھ اپنی صحیح میں نہیں لائے، ہمیں جو مطلوبہ متن تھا، وہ صحیح مسلم میں ملا، اگرچہ اس کو جزوی طور پر امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی نقل کیا، درس کے آخر پر ہم امام بخاری کے متن سے بھی استفادہ کریں گے۔ اس حدیث شریف کی جو معنوی اہمیت ہے، اُس کے بارے میں امام قرطبی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: یہ حدیث "أُمُّ السُّنَّةِ" ہے۔ یعنی سننوں کی ماں ہے، یا احادیث کی ماں ہے۔ امام بغوی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: اس حدیث کو احادیث کے میں وہی اہمیت حاصل ہے، جو قرآن کے اندر سورۃ الفاتحہ کو حاصل ہے۔ جس طرح سورۃ الفاتحہ کو "أُمُّ الْكِتَابِ" کہتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے سارے مضامین کا خلاصہ اور اس کی روح ہمیں سورۃ الفاتحہ میں مل جاتی ہے۔ اس حدیث مبارکہ کے جو آخری الفاظ ہیں، اُن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کو پورا دین فرمایا ہے۔ اس

اعتبار سے حدیث کی دنیا میں اس حدیث شریف کو سمجھ لینا گویا، پورے علم حدیث کا احاطہ کر لینا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ مجلس لگی ہوئی تھی، ہم نے دیکھا کہ ایک شخص جو اجنبی تھا، اور ہم میں سے کوئی اُسے جانتا نہ تھا، وہ مجلس میں ظاہر ہوا، اُس کا حلیہ یہ تھا، کہ اُس نے انتہائی چمکدار سفید لباس پہنا ہوا تھا، اور اُس کے بال شدید سیاہ تھے، حالانکہ یہ عرب کے ماحول کے خلاف تھا کہ کوئی شخص باہر سے سفر کرتا ہوا آئے، اور اُس کے کپڑے انتہائی صاف ستھرے اور چمکدار ہوں اور اُن پر کوئی گرد و غبار نہ ہو، اس چیز نے اُن کو متعجب کر دیا۔ اُس پر سفر کے کوئی اثرات ظاہر نہیں ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ سب کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس انداز سے بیٹھا، جیسا کہ پہلے زمانے میں بالخصوص حدیث کے طالب علم اپنے اساتذہ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے، اُس نے اپنے گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نازک گھٹنوں سے ملا دیئے، یعنی دوزانو بیٹھ گیا۔ اس متن کو بہت سارے صحابہ اور محدثین نے روایت کیا ہے۔ میں نے کل کوشش کی کہ وہ سارے متون میں دیکھ لوں کیونکہ بعض اوقات روایت کرنے میں کچھ الفاظ زیادہ، کچھ کم، کچھ اضافی ہو جاتے ہیں اور جب سب متون سامنے ہوں تو بہت سارے اختلافات رفع ہو جاتے ہیں۔ ایک روایت کے اندر جو الفاظ آئے وہ یہ کہ حضرت جبرائیل امین کے اس بیٹھنے کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ تشبیہ دی ہے۔ جیسے ہم نماز میں بیٹھتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام اس طرح اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر بیٹھے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک رانوں پر رکھ دیئے۔ صحابہ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا ادب کرنے والا کوئی نہیں۔ صحابہ نے یہ اعتراف کیا ہے۔

جبرائیل کا بشری صورت میں آنا

جب جبرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتے تھے، تو اکثر صحابہ کو یہ پتہ نہیں ہوتا تھا، کہ یہ آنے والا جبرائیل ہے، جبرائیل انسانی شکل میں آتے تھے، اور پہاں سے ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں، کہ آنے والا ایک نوری فرشتہ ہے، بشر نہیں ہے لیکن اُس نے شدید سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں، اور اُس کے بال شدید سیاہ ہیں، حالانکہ وہ نوری فرشتہ ہے، اور حالت بشری میں آ رہا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے، اس کی اہمیت بھی میں نے آپ کو بتائی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پورا دین کہا، تو اس حدیث میں سے ہمارے سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے، کہ اگر نوری بشری حالت میں آ سکتا ہے، تو کیا بشر نوری حالت میں نہیں آ سکتا؟ لوگ اس پر تعجب کرتے ہیں کہ نبی تو بشر ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف: 110)

ترجمہ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادو میں تمہاری مثل بشر ہوں۔

تو وہ نور کیسے ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے چوبیس ہزار بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے محبوب کی بارگاہ میں بھیجا۔ جبرائیل امین اکثر جب آتے تھے، تو حضور کے صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جو بڑے حسین و جمیل آدمی تھے، اُن کے حلیہ میں آیا کرتے تھے، تو صحابہ کرام کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ کہ یہ دحیہ کلبی ہیں، یا جبرائیل ہیں، جب چلے جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیتے کہ یہ جبرائیل امین تھے۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آنا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر صحن میں تھے، اور میں اندر سے دیکھ رہی تھی، صحن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک آدمی کھڑے تھے اور باتیں کر رہے تھے، تھوڑی دیر بعد آپ اندر تشریف لائے تو

مجھ سے پوچھا کہ عائشہ معلوم ہے باہر کون تھا، عرض کی، حضور دور سے تو دحیہ کلبی لگ رہے تھے، آپ نے فرمایا: وہ دحیہ کلبی نہیں بلکہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ یہاں سے یہ سمجھ لینا چاہیے، کہ جو رب فرشتے کو بشر بنا کر بھیجنے پر قادر ہے، تو اسی طرح وہ اپنے محبوب کے نور کو بھی بشری حالت میں بھیجنے پر قادر ہے، یعنی کسی کی نورانیت اس سے متاثر نہیں ہوتی ہے، اگر وہ بشر کی صورت میں دنیا میں آجائے، یہ وہ حقائق ہیں جو بڑی گہرائی میں جا کر سمجھ آتے ہیں، آج کی اس حدیث کا متن بھی اس سے Related ہے، اس حدیث مبارکہ کا جو تیسرا پہلو ہے وہ اسلام کے روحانی پہلو کو بیان کرتا ہے۔ جبرائیل کے بارے میں صحابہ کا ایک بڑا خوبصورت جملہ ہے جسے مسند احمد میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے ”مَا رَأَيْنَا رَجُلًا أَشَدَّ تَوْقِيرًا لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ هَذَا“ یعنی یہ شخص جب بھی بارگاہ رسالت میں آیا تو ہم میں سے کوئی بھی ادب اور تعظیم کے پیمانوں میں اس شخص (جبرائیل امین) سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ گواہی دو، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور استطاعت کی شرط پر کعبۃ اللہ کا حج کرو۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (ال عمران: 97)

ترجمہ: اور اللہ کے لیے، فرض ہے لوگوں پر اس گھر کا حج جو طاقت رکھتا ہو وہاں

تک پہنچنے کی۔

قرآن کے اسی مفہوم کا بیان حدیث میں ہوا ہے۔ یعنی اگر تمہیں حج کے اسباب

میسر ہوں تو حج کرو۔ تو سائل نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں حیرت ہوئی کہ یہ کیسا سائل ہے، خود سوال کرتا ہے، اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔

سائل نے کہا: ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایمان رکھو اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کی رسولوں پر، قیامت پر اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان رکھو۔ سائل نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

حقیقت احسان

اس کے بعد سائل نے پھر عرض کی: احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت ایسے کرے کہ جیسے تو اُسے دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ احسان سے مراد وہ جو ہر (اخلاص) ہے جس سے ایمان و اسلام کی ظاہر صورت یعنی عبادت الہی کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے اور عبادت کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندے کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جو ہر میں کس طرح آراستہ و مزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو تو اس طرح کرو جس طرح کوئی نوکر یا غلام اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہو تو اس کے فرض کی انجام دہی کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے اس وقت غلام نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق و چوبند مؤدب اور پابند ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر آقا نظر کے سامنے نہ ہو تو غلام اگرچہ خدمت انجام ضرور دیتا ہے مگر اس صورت میں نہ تو وہ اتنا چاق و چوبند، مؤدب اور پابند ہوتا ہے اور نہ اس کے کام کرنے کے انداز میں اس قدر

والہانہ اور مخلصانہ کیفیت موجود ہوتی ہے۔ پس اسی نکتہ کے پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت و حالت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، تو خشوع و خضوع اور تضرع کی تمام تر کیفیات خود بخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جائیں گی اور اس طرح اس کی عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پائے گی اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہوگا۔ عبادت کے اس مرتبہ کو ”حقیقی احسان“ کہا گیا ہے جس کو ارباب تصوف مشاہدہ اور استغراق یا مراقبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب اونچا مرتبہ و مقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے اس لیے نسبتاً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ دھیان میں رکھو کہ جس ذات کی عبادت تم کر رہے ہو اس کے سامنے تم کھڑے ہو اور اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ تمہاری ایک ایک بات پر اس کی نظر ہے اور تمہاری حرکات و سکنات میں سے کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں اس یقین و اعتقاد سے بھی تمہاری عبادت میں خشوع و خضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہو جائے گا اور عبادت کا حق ادا ہوگا حدیث میں عبادت کی اسی کیفیت کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ و استغراق کا ثانوی درجہ ہے۔

حدیث میں ان چاروں فرائض کا ذکر ہے جو ہر مسلمان و مومن پر اس تفصیل کے ساتھ عائد ہوتے ہیں کہ نماز اور روزہ تو وہ دو بدنی فرض عبادتیں ہیں جن کا تعلق ہر عاقل و بالغ مسلمان سے ہے جو بھی آدمی ایمان اور اسلام سے متصف ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس پر فرض ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرے اور جب رمضان آئے تو اس مہینے کے پورے روزے رکھے۔ باقی دو فرض عبادتیں یعنی زکوٰۃ اور حج وہ مالی عبادتیں ہیں جن کا تعلق صرف اس مومن و مسلمان سے ہے جو ان کے بقدر مالی استطاعت و حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ اس مسلمان پر فرض ہوگی جو

صاحب نصاب ہو اور حج اس مسلمان پر فرض ہے جو صاحب نصاب ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ وہ بغیر کسی تنگی و پریشانی کے آمد و رفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لیے اہل و عیال اور لواحقین کے تمام اخراجات کے بقدر رقم یا سامان و اسباب ان کو دے کر جا سکتا ہو۔ زاد راہ اور فرضیت حج کی اس طرح کئی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور پر صعوبت ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فرضیت کو ساقط نہیں کر سکتیں۔

سائل نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔ پھر سائل نے عرض کی کہ حضور قیامت کے بارے میں کچھ بتائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں نہیں جانتا۔ سائل بڑا سمجھدار تھا، کیونکہ وہ بھی رسول تھا، اور فرشتوں کا سردار تھا، یہ یاد رکھیں کہ جبرائیل علیہ السلام، ملائکہ رسل میں سے ہیں، جن کی عظمت سے بے خبری کے باعث بعض دفعہ ہم لوگ روانی اور جوش میں بڑی بڑی عجیب باتیں کر جاتے ہیں، انہوں نے بات یہاں ختم نہیں کی اور انہیں محسوس ہوا، کہ سوال جیسے پوچھنا چاہیے تھا ویسے نہیں پوچھا گیا، یہ براہ راست علوم غیبیہ سے متعلق سوال ہے، علوم خمسہ جو قرآن پاک میں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے غیب کہا ہے جو خود غیب الغیب ہے یہ ان میں سے ایک ہیں، جب براہ راست پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار تواضع فرماتے ہوئے اسے سنت بنا دیا کہ اگر کبھی کسی عالم سے اس طرح کا سوال کیا جائے تو شارحین حدیث فتح الباری اور عمدۃ القاری والوں نے یہاں پر لکھا ہے کہ یہاں علماء

کے لیے سنت بنائی، جن سے سوال پوچھے جاتے ہیں کہ وہ اظہار تو واضح اور عاجزی کو اپنا شیوہ بنائیں۔ اب جبرائیل امین نے سوال کو دوسرے طریقے سے بیان کیا، آپ غور کیجئے کہ سوال وہی ہے، حضور قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتادیں؟ یہاں جبرائیل کی فراست کا آپ اندازہ کریں۔

قیامت کی نشانیاں

قیامت کی کچھ اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ آثار ظاہر ہونے لگیں اور یہ علامتیں دیکھ لی جائیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ دنیا اپنے وجود کے آخری دور سے گزر رہی ہے پہلی علامت: تو یہ بتائی گئی کہ لونڈی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی اس کا ایک مطلب تو غلامی کے زمانہ اور رواج کے سیاق میں لیا جاسکتا ہے کہ لوگ کثرت سے باندیاں رکھیں گے اور ان باندیوں سے اولاد بھی بہت جنوائیں گے، پھر انہی اولاد میں سے جو لوگ بڑے ہو کا مال و جائداد اور حکومت و طاقت کے مالک بنیں گے وہ لاعلمی میں اپنی انہیں ماؤں کو جنہوں نے ان کو جنم دیا ہو گا باندیوں کے طور خریدیں گے۔ اور اپنی خدمت میں رکھیں گے اس جملے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب معاشرے میں جنسی بے راہ روی عام ہو جائے، مرد و زن تمام اخلاقی اور انسانی پابندیوں کو توڑ کر بے محابہ ناجائز تعلقات پیدا کریں اور اس کے نتیجے میں ایسے ناجائز بچے کثرت سے پیدا ہونے لگیں جن کو نہ اپنے باپ کی خبر ہو اور نہ اپنی ماں کو جانتے ہوں اور پھر وہیں بچے بڑے ہو لاعلمی میں اپنی ماؤں کو ملازمہ اور نوکرانی بنائیں۔ جنہوں نے ان کو جناتھا تو سمجھو کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔

دوسری علامت: برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کا ایوان حکومت اور عالی شان مکانات و محلات کا مالک ہونا، بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ شریف النسل، عالی خاندان اور مہذب و معزز لوگ انقلاب زمانہ کا شکار ہو کر غربت و افلاس اور بے روزگاری و پریشان حالی کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں، اپنی حیثیت اور وقت کھو چکے ہیں اور معاشرتی و سماجی سطح پر کسی اثر و رسوخ کے حامل نہیں رہے اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ کہ جو کل تک حسب و نسب، شرافت و نجابت، نسل و خاندان اور تہذیب و شناسائی کے اعتبار سے نہایت بے حیثیت و بے وقعت تھے، تعلیمی و اخلاقی طور پر کم تر و پسماندہ سمجھے جاتے تھے۔ غیر منصفانہ سیاست و انقلابات کی بدولت حکومت و اقتدار کے مالک بن بیٹھیں۔ دغا و فریب کے ذریعہ مال و دولت اور بڑی بڑی جائیدادوں پر قابض اور عالی شان مکانات و محلات کے مالکین ہو گئے ہیں نہ صرف یہ بلکہ طاقت و حکومت، مال و دولت اور پر عیش زندگی نے ان کو گھمنڈی شیخی خور بنا دیا ہے، حقیقی شرافت و نجابت رکھنے والے غریب و مفلس لوگوں کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کی تباہی و رسوائی کے بد سے بدتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سمجھنا کہ اب اس دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا ہے اس تفصیل کو علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے چند جملوں میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قیامت کی علامتیں بتانے والے حدیث کے یہ دونوں جملے دراصل انقلاب و حالات سے کنایہ ہیں یعنی جب اتنا انقلاب رونما ہو جائے کہ اپنی اولاد اپنا آقا اور حاکم بن جائے اور شرف کی جگہ کمتر و ذلیل لے لیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب تمام عالم پر ایک عظیم انقلاب کا وقت قریب آ گیا ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب لونڈی اپنا مالک جنے گی اور تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں پھرنے والے، بکریاں چرانے والے مسکین چرواہے بڑی بڑی عمارتوں کے مالک ہوں گے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر وہ اجنبی مسافر چلا گیا، اس کے بعد جو دوسرے متون میں نے دیکھے، اُن میں

یہ بھی ہے کہ جب جبرائیل چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس اجنبی کو بلاؤ، صحابہ جو اس اجنبی کو لینے کے لیے بھاگے، اُن میں حضرت عمر بھی شامل تھے، لیکن وہ اُنھیں کہاں ملتا۔ سب نے واپس آ کر عرض کی، کہ وہ نہیں ملے۔ دو یا تین دن بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمر کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ سائل کون تھا، یہاں جو الفاظ ذکر ہوئے وہ سائل کے ہیں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ یہ جو ”أَعْلَمُ“ کا لفظ یہاں استعمال ہوا ہے، ایک لفظ ہوتا ہے ”عالم“ ایک ہوتا ہے ”علامہ“ اور ایک ان سب سے بلند مرتبہ ہوتا ہے ”أَعْلَمُ“ جو Superlative Degree ہے۔ یعنی سب سے زیادہ جاننے والا، اب یہاں اللہ اور رسول دو ہیں اور لفظ ”أَعْلَمُ“ ایک ہی استعمال ہوا ہے۔ اگر یہ متون ذہن میں ہوں تو عقیدہ ساتھ ساتھ خود ہی حدیث صحیح کرتی جاتی ہے۔ آپ حدیث کا متن پڑھ رہے ہوں، نہ اگر تو آپ کا عقیدہ اور نظریہ، آپ کی فکر، آپ کا عمل ہر چیز کی اصلاح ہو رہی ہوتی ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اُس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بظاہر معمولی اور عام سوالوں کے جواب میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہی کہتے تھے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آج کون سا دن ہے، تو صحابہ کہتے: ”اللہ ورسولہ اعلم“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے: یہ شہر کون سا ہے؟ صحابہ کرام عرض کرتے: ”اللہ ورسولہ اعلم“ یہ ہیں صحابہ، حجۃ الوداع میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو صحابہ ہر بات کے جواب میں یہی کہتے، بعد میں لوگوں نے صحابہ کرام سے پوچھا، آپ کو تو پتہ تھا کہ آج عرفہ کا دن ہے، یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے، ۹ ذوالحجہ

کا دن ہو، میدان عرفات ہو تو اس میں کوئی شک والی بات ہے، کہ آپ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اُس کا رسول جانتے ہیں۔ لیکن صحابہ اتنے Conscious اور حساس تھے، اتنے وہ لطیف الحس تھے، انہوں نے کہا کہ ہم ڈرتے تھے، کہ ہم اس سوال کا جواب دیں، اپنے علم کے مطابق اور اللہ کے رسول کچھ اور کہہ دیں۔ ہم اللہ کے رسول کے سامنے جھوٹے پڑ جائیں، ہماری بات جھوٹ ہو جائے، اس لیے ہم بہتر سمجھتے تھے کہ آپ ہی فرمادیں کہ آج کون سادن ہے۔ بعض لوگ اللہ اور اُس کے رسول کا ذکر اکٹھا کر دینے کو بھی شرک سمجھتے ہیں، اور اس سے بھی بڑا اعتراض جو کرتے ہیں کہ دونوں میں "أَعْلَمُ" کی صفت ایک ہی جمع کر دی۔ کہتے ہیں کہ یہ تو صریح شرک ہے، اللہ بھی اعلم اور رسول بھی اعلم؟

اب اگر کہنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں اور سُننے والے اللہ کے

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو وہ دین بن جاتا ہے۔

ارکان اسلام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس اظہار کے بعد فرمایا کہ وہ جبرائیل آئے تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے۔ یہ مکمل دین ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے: (۱) اسلام (۲) ایمان (۳) احسان۔

اسے یاد کر لیں، یہ بطور مسلمان ہمارا سبق ہے، یہ ہمارے کلمہ کی تشریحات ہیں، اگر یہ چیزیں ہمارے ذہن اور حافظہ میں محفوظ نہ ہوں تو ایمان کی لذت محسوس نہیں ہوتی، ایمان رسم رہ جاتا ہے۔ اس کو سبق کی طرح سمجھ کر اس کے مضامین اور مفاہیم کو یاد کر لیں۔ ان تینوں کے مجموعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین فرمایا۔

اب پہلی چیز تو عقیدہ سے متعلق ہے، اُسے سمجھیں، آج الحمد للہ آپ اپنے عقیدے

کی اُس جہت کے بارے میں سنیں گے، جس کے بارے میں بیان کرنے کا اب رواج ہی نہیں رہا اور اُس کے متبادل جو فروعات تھیں شریعت کی، اُن کو بطور عقیدہ کے متعارف کروادیا۔ اب ہمارا سادہ ذہن جن چیزوں کو عقائد سمجھتا ہے، عقائد کہتے ہیں: فروعات کو، اصول اور ایمان، یہ دین کی جڑ ہیں، جن کو ہم عقائد کہتے ہیں، یہاں ہمارے ماحول کے اندر ایک بہت بڑا حادثہ اور سانحہ ہوا کہ وہ چیزیں جو فروعات شریعت تھیں، اُن کو اصول کا درجہ مل گیا، لوگوں نے غلط فہمی میں اُن کو عقیدہ سمجھ لیا، حالانکہ وہ عقیدہ نہیں تھا، آج عقیدہ سے متعلق ایک بہت بنیادی چیز سمجھ لیں جس کو ہمارے ائمہ کرام نے بیان کیا۔ تین درجے آپ نے خود سنے: اسلام، ایمان اور احسان۔ اب اس میں جو پہلے دو درجے ہیں: اسلام اور ایمان، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یعنی اللہ کی وحدانیت اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا۔ اب یہ جو ہم گواہی دیں گے یہ اظہار اور اقرار ہے۔ یہ ہماری زبان کا فعل ہے۔ اُس کے بعد آپ نماز قائم کریں گے، یہ بدنی عبادت ہے، پھر زکوٰۃ جو کہ مالی عبادت ہے، رمضان کے روزے رکھنا، یہ بھی بدنی، اور مالی عبادت ہے، ان کو ہم اعمال کہتے ہیں اور حج ادا کرنا، یہ بھی ایک جسمانی عبادت ہے۔ یہ پانچ ارکان اسلام ہیں، جن کے بارے میں دوسری حدیث بھی ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

بنی الاسلام علی خمس

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

اور جب پوچھا گیا ایمان کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ پر ایمان لاؤ،

علماء کرام کہتے ہیں کہ جب جبرائیل نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جبرائیل نے ایمان کے لغوی معنی پوچھے ہیں، بلکہ ایمان کے حقیقی معنی پوچھے ہیں، یہاں جو ایمان ہے یہ فعل باطنی اور قلبی ہے۔ یہ بڑی باریک چیز ہے اس کو سمجھ لیں، اللہ پر ایمان آپ کیسے لائیں گے، یہ آپ کا باطنی عمل ہے۔ اور ملائکہ اور رسولوں اور کتابوں پر ایمان۔ یہ سب باطنی اور قلبی فعل سے متعلق ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں: کہ ایمان کا محل اور مقام وہ قلب ہے۔ حضور ﷺ نے باقاعدہ قلب کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: کہ ایمان یہاں ہے، اور تقویٰ کا مقام بھی قلب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ تین بار آپ نے فرمایا: اے لوگو! تقویٰ یہاں ہے۔ اسی طرح خشوع کا محل بھی قلب ہے اور یہ بھی باطنی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَكِنْ يَأْخُذْكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ط (البقرہ: 225)

ترجمہ: اللہ اس پر گرفت کرتا ہے جو کام تمہارے دل نے کیے۔

یہ سب قلب کے افعال ہیں۔ اسی لیے قرآن میں ہے کہ تمہاری پکڑ ہوگی قیامت کے دن اُن اعمال کے نتیجہ میں جو تمہارے دلوں نے کئے۔ یعنی اعمال قلبی بھی ہوتے ہیں جو باطنی امور ہیں۔ علماء کے اندر ایک بحث ہے، ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ یہ عقیدہ کی ایک بحث ہے، ائمہ کی ایک جماعت کہتی ہے: "الایمان ولا یزید ولا ینقص" یعنی ایمان نہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حنفی اور ماتریدی School of Thought ہے، جس کے ہم ماننے والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کہا جائے کہ یہ شخص تھوڑا مسلمان ہے اور تھوڑا کافر ہے۔ یہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق ہے۔ فرمایا کہ جو کہتے ہیں کہ ایمان گھٹ سکتا ہے اور ایمان بڑھ سکتا ہے تو اس کا مطلب ہے

کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص کبھی تھوڑا مسلمان ہوتا ہے اور کبھی تھوڑا کافر ہو جاتا ہے۔ جب کہ ایمان ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے۔

جسے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلہ: 22)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر ایمان ثبت کر دیا گیا ہے۔

ایمان کوئی ایسی جنس نہیں ہے جو 10 فیصد کم کر دی یا 20 فیصد بڑھا دی، ایسا نہیں ہے بلکہ ایمان ایک مستقل حالت کا نام ہے۔ وہ یا تو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ یا تو کوئی شخص مومن ہے یا کافر ہے۔ یہ ایک اصولی حقیقت ہے، اور قرآن اس حقیقت کا سب سے بڑا مبلغ ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ بار بار کہتا ہے:

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (العصر: 3)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔

یعنی ایمان ایک الگ حالت اور حیثیت کے طور پر بیان ہوا، اور اعمال ایک الگ حیثیت کے طور پر۔ اس کا مطلب ہے، کہ ایمان ہونا ایک الگ صفت ہے اور نیک اعمال کرنا ایک الگ چیز ہے۔ نیک اعمال کا کسی شخص میں پایا جانا ایمان کی جلاء کا باعث ہے۔ یہ ایمان کے نور کو بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ اس کو اگر ہم محاورہ میں افزودگی ایمان کہہ لیں محاورہ کے طور پر تو جائز ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ امام بخاری کے اندر یہ چیز بہت زیادہ ہے، کہ وہ ایک چیز کو اختیار کر کے پھر اس کی بڑی تبلیغ کرتے ہیں، اُس کو منوانے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں۔ امام بخاری سمجھ لیں پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے اس کو اپنی صحیح میں درج کیا اور پھر اس پر زور دیا۔ یہ میں نے اس لیے بتا دیا تاکہ بخاری کے مطالعہ کے

دوران یہ بات ذہن میں رہے کہ امام بخاری اس بات کے قائل ہیں۔
یہ غلط نہیں لوگوں کو کیوں ہوئی؟ یہ سمجھ لیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے ایمان نہ گھٹتا ہے نہ
بڑھتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ ایمان ایک الگ مستقل حقیقت ہے
اور اعمال ایک الگ اور مستقل حقیقت ہیں۔ اور جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ ایمان گھٹتا بھی
ہے اور بڑھتا بھی ہے، اُس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج اگر اس شخص نے ایک نماز
چھوڑ دی تو اس کا ایمان گھٹ چکا ہے۔ یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ اعمال ایمان پر اثر انداز
ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْهُمُومُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ
عَلَيْهِمْ آيَاتُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ (الانفال: 2)

ترجمہ: صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ
اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن پر اللہ کی آیتیں تو یہ ان کے ایمان کو
بڑھادیتی ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس زیادتی سے مراد ان لوگوں نے (Quantity) مقدار سمجھ لیا، جبکہ ایسا نہیں
ہے، اس کا سیاق و سباق بتا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں ان لوگوں
کو مومن پہلے کہہ دیا، وہ مومن تو ہیں، لیکن جب وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں تو ان کے
ایمان کو اور جلاء ملتی ہے۔ انھیں تقویت باطنی ملتی ہے، نورانیت ایمان میں اضافہ تو ہو
سکتا ہے لیکن ایمان کی بنیاد میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس اعتبار سے یہ سمجھنا
چاہئے، کہ جہاں ہمارا دین ہمیں ایمان کی دعوت دیتا ہے اور اعمال صالح کی دعوت
دیتا ہے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ اپنے ایمان کو چمکاؤ، اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ اپنے
مومن ہونے کا ثبوت دو۔

باطل فرقوں کا رد

یہ بڑی مفصل بحث ہے، اس کو ہمارے ائمہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ لیا ہے کیونکہ یہ بڑا Serious مسئلہ ہے۔ ہمارے اہل سنت و جماعت کے علاوہ، یہ میں آج والے اہل سنت کی بات نہیں کر رہا، ساڑھے تیرہ سو سال پہلے والے اہل سنت کی بات کر رہا ہوں۔ اُس وقت جو باطل فرقے اُٹھے، اُن میں سے خوارج اور معتزلہ، روافض وغیرہ مشہور ہیں، صحابہ کرام اہل سنت تھے اور یہ لوگ اس وقت ان کے مقابل کھڑے تھے۔ صحابہ کرام کے بعد آگئے تابعین، ان سب کے سامنے کھڑے تھے یہ خوارج اور معتزلہ، ان لوگوں نے کہا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا بھی ہے اور اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کر لے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس چیز کو رد کرنے کے لیے اور بچانے کے لیے ہمارے ائمہ نے Stand لیا کہ یہ لوگ تو ”نعوذ باللہ“ پوری امت کو ہی کافر کر دیں گے۔ اُن ظالموں نے اپنی تکفیر کی یہ مشین سب سے پہلے جن ہستیوں پر چلائی، وہ حضور کے چار جلیل القدر صحابہ تھے۔ دلیل میں قرآن کی آیت پیش کرتے تھے، وہ اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے تھے:

إِن الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (الانعام: 57)

ترجمہ: حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔

حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان چار صحابہ پر انہوں نے کفر کا فتویٰ لگایا۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا اور ہے۔ خوارج کی آج بھی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ نماز چھوڑی تو کافر، جھوٹ بولا تو کافر، یہ وہ طبقہ ہے جو ان عقائد کا مالک ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ کتنا Serious مسئلہ ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے جس کے اندر کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ ایمان الگ چیز ہے اور اعمال الگ چیز ہیں۔ البتہ اعمال صالحہ سے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور اعمال قبیحہ سے ایمان کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔ ائمہ نے بڑی مثالیں بھی دی ہیں، فرماتے ہیں، ایک بڑا خوبصورت اور وہی آدمی اگر اس پر میل کچیل لگی ہوئی ہے، اچھا لباس نہیں پہنا، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب یہ انسان ہی نہیں رہا، یا یہ وہ شخص ہی نہیں رہا، انسان وہی ہے، شخصیت وہی ہے، اُس کی حالت بدل گئی ہے، بس اس حد تک اچھے اور برے اعمال اثر انداز ہوتے ہیں۔

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

یہ بھی بڑا اہم مسئلہ ہے۔ یہ بھی ہمارے دور سے متعلق ہے۔ اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد جو دوسرے راوی ہیں، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ صحیح مسلم کے متن میں اس حدیث سے اوپر تقریباً اتنی ہی طویل ایک اور عبارت ہے، دو راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث کو روایت کر رہے ہیں، اُن کا مکالمہ ہے، یہ دونوں کہتے ہیں: کہ بصرہ میں ایک شخص تھا، معبد الجہنی، اُس کا نام تھا، یہ اس امت میں پہلا شخص تھا جس نے مسئلہ قضا و قدر پر بحث چھیڑی۔ آپ اندازہ کر لیں کہ یہ اُس دور کا آدمی ہے جب صحابہ موجود تھے، بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ شاید یہ گمراہ فرقے آج کل بنے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کی جڑیں اُسی وقت بن چکی تھی، یہ اب اُن کی مختلف شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس شخص نے قدریہ فرقے کی بنیاد رکھی۔ یہ جو جبریہ، قدریہ، خوارج، معتزلہ، جہنیہ، مرجیہ، یہ سب پرانے فرقے ہیں اور آج جو فرقے ہمیں نظر آتے ہیں یہ اُن ہی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ تو یہ دونوں حضرات کہتے کہ اگر ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی مل جائے،

تو یہ معبد الجہنی تقدیر اور قضا و قدر کے بارے میں جو باتیں کرتا ہے، ہم اس کے بارے میں اُن سے رائے لیں کہ تقدیر کے بارے میں ہمیں کیا عقیدہ و نظریہ رکھنا چاہیے۔ کہتے ہیں ہم مکہ معظمہ میں جب عمرہ یا حج کے لیے گئے تو وہاں ہمیں مسجد حرام کے اندر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مل گئے، کہتے ہیں کہ ہم دونوں والہانہ شوق سے ایک اُن کے دائیں نظر گیا اور ایک بائیں نظر گیا، اور عرض کیا حضور ہمارے بصرہ میں ایک شخص ہے، جس کا نام معبد الجہنی ہے، وہ قضا و قدر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے، کہ ابھی جو فعل ہوا اُس کا اس سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا، نہ داخل میں، نہ خارج میں، نہ علم میں اور ہمیں ہمارے دین نے کیا سکھایا، وہ یہ ہے کہ خیر اور شر کے بارے میں جو چیزیں مقدر ہیں، وہ اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں، جو ہونا ہے اور جو نہیں ہونا ہے، وہ اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں، ازل سے ابدی و سرمدی ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اگر کوئی چیز ابھی وقوع پذیر ہوئی ہے، تو وہ اللہ کے علم میں بھی ابھی آئی ہے، وہ اللہ کے علم میں پہلے سے تھی، ہمارے علم میں اب آئی ہے، اللہ تعالیٰ جس طرح ہمارا خالق ہے، اُسی طرح ہمارے اعمال کا بھی خالق ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصّفت: 96)

ترجمہ: جس نے تمہیں پیدا کیا اور رے اعمال کو پیدا کیا۔

اللہ فاعل اور قاصد نہیں، اللہ اعلم ہے، علیم بالذات الصدور ہے۔ فرقہ قدریہ کے لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ کا علم کوئی چیز نہیں، پہلے کوئی چیز واقع نہیں ہوتی سر جیسے ہی کوئی شخص کوئی فعل کرتا ہے، وہ اُسی وقت وجود میں آتا ہے، گویا انہوں نے تقدیر کی بطور عقیدہ کے جو حیثیت تھی، اُس کا انکار کر دیا، اللہ کے علم قدیم کی نفی کر دی اور اس کے پیچھے ان کے بہت سارے مقاصد تھے۔ جب یہ بات حضرت عبداللہ ابن عمر کی بارگاہ

میں عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو یہ عقیدہ رکھے ہم اُس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، جس شخص نے اللہ کی تقدیر کا انکار کیا، اُس نے اللہ کا انکار کیا اور وہ کافر ہے۔

من کفر بالقدر کفر باللہ

ترجمہ: جس نے تقدیر کا انکار کیا اس نے اللہ کا انکار کیا۔

ترمذی شریف میں ہے:

لا یؤمن باللہ من لا یؤمن بالقدر

ترجمہ: جس شخص نے اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں رکھا گویا اُس نے اللہ پر بھی ایمان نہیں رکھا۔

یہ ایک انتہائی اہم چیز ہے جس کے بارے میں آج شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی چیز جو احسان ہے آج ہم اسی تک محدود رہیں گے، کیونکہ قیامت و علامات قیامت ہے، یہ ایک مستقل اور بڑا مفصل مضمون ہے۔

قرآن میں ایمان کے تین مراتب بیان ہوئے ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ اگر تو آپ اسلام تک محدود ہیں تو آپ علم الیقین تک ہیں، اگر آپ ایمان تک سک گئے تو آپ عین الیقین تک سک گئے، اگر آپ مرتبہ احسان تک فائز ہیں تو آپ حق الیقین تک ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ، جن کو منکرین صوفیہ سمجھا جاتا ہے، انھوں نے خود اس حدیث کی شرح میں پوری ایک کتاب لکھی، جس میں انھوں نے اعمال قلبیہ کو ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مرتبہ احسان تک پہنچا ہوا ہے، اُسکو مسلم کہتے ہیں، جو شخص مرتبہ ایمان تک پہنچا ہوا ہے اُسے ہم مومن کہتے ہیں، اور جو شخص مرتبہ احسان تک پہنچا ہوا ہے اُسے ہم محسن کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے، کہ تصوف کی قرآن میں

جو اصطلاح آئی ہے وہ تزکیہ ہے اور حدیث کے اندر جو اصطلاح آئی ہے وہ احسان ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۙ (الشمس: 10، 9)

ترجمہ: کامیاب ہو گیا وہ جس نے اسے پاک رکھا۔ اور نامراد ہوا وہ جس نے

اسے مصیبت میں چھپایا۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (ال عمران: 164)

ترجمہ: اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

حدیث میں تصوف کے لیے ”احسان“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اُسے دیکھ رہے ہو، اتنی Presence اور حضوری حاصل ہو کہ گویا ہر وقت تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اسے محدثین نے مراقبے سے بھی تعبیر کیا۔ یعنی ہر وقت اپنے رب کے مراقبے میں رہنا۔ گویا ہر وقت تم اپنے رب کی نظر میں ہو۔ دو حالتیں بیان کی، یا تو یہ ہو کہ تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو یا اور دوسرا یہ کہ تمہارا رب ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔ رب کی معیت و قربت کے احساس کو ہر وقت طاری رکھنا، اس حالت کو الفاظ میں احسان کہتے ہیں۔ ویسے تو یہ ایک حالت ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ حال کو نظر ثانی میں بیان کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے، محدثین کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ الفاظ بیان کیے ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو امع الکلم عطا فرمائے ہیں، آپ بڑی بڑی باتوں کو مختصر اور جامع الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں، جبرائیل کے سوال کے جواب میں آپ نے ایک جملے میں پورا مضمون سمودیا۔ ہر محسن، مومن بھی ہے اور مسلم بھی ہے لیکن ہر مسلم مومن نہیں، ہر مومن

محسن نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

” اَمَّنَّا “ وہ بولے ہم اسلام لائے۔ تو فرمایا: نہیں بلکہ یوں کہو ” قَوْلُوا
 اَسْلَمْنَا “ کہو کہ ہم اسلام لائے۔ یعنی ایمان تو ابھی ان کے دلوں میں داخل نہیں
 ہوا۔

احسان کا لغت میں معنی ہے: اچھائی یا بہترین چیز۔ اسی سے احسن ہے محسن
 ہے، محسنین ہے۔ یہ یہی قرآن پاک میں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں اس
 بارے میں مختلف آیات آئی ہیں۔ ” وَقَوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا “ (البقرہ: 83) لوگوں
 سے اچھی بات کہو۔

کوئی بھی اچھا عمل اگر اپنی بہترین حالت میں آ رہا ہے تو اُسے ہم احسان کہیں
 گے۔

قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے:

يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل: 90)

ترجمہ: اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

ایک عام انفرادی طور پر قرآن میں یوں آیا:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الرحمن: 60)

ترجمہ: یہاں احسان بھلائی اور نیکی کے معنی میں آیا ہے۔

اور ایک جگہ اور آیا ہے:

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران: 124)

ترجمہ: اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ (البقرہ: 112)

ترجمہ: جس نے اپنا منہ جھکایا اللہ کے لیے وہ محسن ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔

وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (القمان: 22)

ترجمہ: جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے پیش کر دیا وہی محسن ہے۔

یہاں بھی لفظ محسن استعمال ہوا۔

خلاصہ کلام

اس حدیث میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اساس اور دین کی بنیادی باتوں کو بتایا گیا ہے یعنی ایمان کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ یہ ان عقائد و نظریات سے تعبیر ہے جن کو جاننے اور ماننے کے بعد کوئی آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور مومن بنتا ہے "اسلام" کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس سے وہ عملی ذمہ داریاں فرائض مراد ہیں جو مومن پر عائد ہوتی ہیں اور ان عملی ذمہ داریوں یعنی فرائض کی انجام دہی پیرو اسلام یعنی مسلمان بناتی ہے اس کے بعد احسان کی وضاحت کی گئی جس کو اخلاص سے (یا تصوف سے بھی) تعبیر کیا جاسکتا ہے یہ اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد و نظریات سے وابستگی اور شریعت کی اتباع و فرمانبرداری کے بعد توجہ الی اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اور بندے کو اپنے معبود کا تقرب عطا کرتی ہے۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری و نافذ کئے ہوئے احکام و ہدایات پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور عمل اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس وقت تک حسن قبول کا درجہ نہیں پاسکتے جب تک اللہ کی

طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی و خارجی وجود پر خوف الہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو اور ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک فکر و عقیدہ صحیح نہ ہو۔ دل و دماغ ایمان و یقین سے روشن نہ ہوں۔ پس کامل مومن یا کامل مسلمان وہی آدمی مانا جائے گا جس کا دل و دماغ میں ایمان یعنی صحیح اسلامی عقائد و نظریات کا نور موجود ہو، پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام و ہدایات کی کامل اطاعت کرے جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جاری و نافذ کئے اور پھر ریاضت و مجاہدہ یعنی ذکر و شغل اور اوراد و وظائف کے ذریعہ اخلاص، توجہ الی اللہ اور رضاء مولیٰ کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان و اسلام میں حسن و کمال اور بلند مقام ملتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص درجہ اسلام پر فائز ہو وہ مسلم ہے، جو مرتبہ ایمان پر فائز ہو وہ مومن ہے جو مقام احسان پر فائز ہو وہ محسن ہے، اور یہی مطلوب و مقصود شریعت ہے۔ صوفیہ کرام جس کیفیت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں، اس میں بھی آگے تین درجے ہیں جو قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں۔

انبیاء کرام کے مراتب و قرب کا تعلق

امام ابو القاسم القشیری علیہ الرحمہ واقعہ معراج کے تناظر میں تین جلیل القدر اور اولوالعزم رسولوں کے مقامات قرب کو آیات قرآنی کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنا مقام قرب اپنی زبان سے از خود بیان کر رہے ہیں۔

إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي (الصافات: 99)

ترجمہ: میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔

لہذا ان کا مقام مقام فرق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میقات الہی میں آمد کو رب ذوالجلال نے خود بیان فرمایا ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا (الاعراف: 143)

ترجمہ: جب موسیٰ ہماری حدود میں آیا۔

فرماتے ہیں یہ مقام فرق ہے۔ جانے والا خود کہہ رہا ہے کہ میں جا رہا ہوں۔ یک طرفہ کیفیت۔ دوسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں ہے۔ پہلے حضرت ابراہیم کہہ رہے تھے اور اب اللہ یہ کہہ رہا ہے کہ جب موسیٰ ہماری حدود میں آیا۔ یہ مقام جمع ہے۔ تیسرا مقام ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ (بنی اسرائیل: 1)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔

امام ابوالقاسم القشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ مقام جمع الجمع ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کا فرمان

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق، ومن تصوف ولم يتفقه

فقد تذاذق، ومن جمع بينهما فقد تحقق

ترجمہ: جس نے فقہ بغیر تصوف کے حاصل کیا وہ فاسق ہے اور جس نے تصوف

بغیر فقہ حاصل کیا وہ زندیق ہے اور جس نے دونوں کو حاصل کیا وہ محقق (جامع ظاہر و

باطن) ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ کا فرمان

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

كذلك يفترض عليه علم احوال القلب من التوكل والخشية
والرضاء... الخ ۱

اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے جیسے توکل، خشیت، رضا.... وغیرہ

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ کا فرمان

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

(علم القلب ای علم الاخلاق وهو علم يعرف به انواع
الفضائل و كيفية اكتسابها وانواع الرذائل و كيفية اجتنابها
ان علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين
ازالتها فرض عين... الخ) ۲

ترجمہ: علم سلوک کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور عجب، حسد اور ریا ان کا ازالہ
کرنا بھی فرض عین ہے۔

اور یہ امر توائمہ فقہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ ”فرض عين افضل من
الفرض الكفاية“ یعنی فرض عین فرض کفایہ سے افضل ہوتا ہے۔

تصوف کا حصول فرض عین ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سورۃ التوبہ کی آیہ مَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَنْفِرُوا

كَافَّةً کی تفسیر کے سلسلے میں تصوف کے مقام اور اہمیت کی وضاحت فرماتے ہیں:

صوفیہ کرام جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے کیونکہ اس کا ثمرہ

۱- تعلیم المتعلمین: 12/1

۲- رد المحتار بحث علم القلب 32/1

صفائی قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے اور تزکیہ نفس ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب تکبر، حسد، حب دنیا، حب جاہ، عبادات میں سستی، شہوات نفسانی، ریا، سمعہ وغیرہ اور اس کا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی رضا بالقضاء شکر نعمت اور مصیبت میں صبر وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مومن کے لیے اعضا جوارح کے گناہوں سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں اور نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے زیادہ اہم فرائض ہیں کیونکہ ہر وہ عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو بے فائدہ ہے اور خلوص ہی کا نام تصوف ہے۔

حضرت امام مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص

شریعت بے طریقت نیست حاصل

طریقت بے شریعت نیست واصل

اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

بلال بن ابی بردہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا
کرتے تھے:

ہماری بڑی سے بڑی برائیاں بھی
تمہیں ہمارا علم قبول کرنے سے باز نہ
رکھیں۔

طاؤس کا قول ہے، جو کچھ سیکھو
اپنے لئے سیکھو نہ دوسروں کے لیے، کیونکہ
اب لوگوں میں امانت و حیا باقی نہیں۔

درس حدیث نمبر: 4

حدیث ولی

حديث ولى

الْحَمْدُ لِلَّهِ مُحَمَّدٌ وَنُصِّى عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَا بَعْدُ!
فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال، قال رسول الله ﷺ: ان
الله قال من عادى لى ولياً فقد اذنته بالحرب وما تقرب الى عبدى
بشيء احب الىّ مما افترضته عليه وما يزال عبدى يتقرب الىّ
بالتوافل حتى اُحبه فاذا احبته كنت سمعه الذى يسمع به
وبصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها
وان سألنى لأعطينه ولئن استعاذنى لأعيذنه وما ترددت عن
شيء انا فاعله ترددى عن نفس المؤمن يكره الموت وانا اكره
مساءته^١

١- صحيح بخارى، كتاب الرقاق، باب التواضع، رقم: 6021

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اُس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں اور سب سے زیادہ جو چیزیں میرے بندے کو میرا قرب عطا کرتی ہیں وہ فرائض ہیں اور میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو میں اُس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سُنتا ہے اور اُس کی بصارت بن جاتا ہوں، جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے، اور میں اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اُسے عطا فرماتا ہوں، اور اگر وہ میری پناہ پکڑے تو ضرور میں اُسے پناہ دیتا ہوں، اور اپنے صادر کیے گئے کسی حکم میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مومن کی موت کا حکم دیتے وقت ہوتا ہے، کیونکہ میرا بندہ اس کو ناگوار سمجھتا ہے اور میں اُس کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔

Narrated Hazrat Abu Huraira:

Allah's Apostle Said: I will declare war against him who shows hostility to a pious worshipper of Mine. And the most beloved things with which my slave comes nearer to Me, is what I have enjoined upon him; and My slave keeps on coming closer to Me through performing Nawafil (Praying or doing extra deeds besides what is obligatory) till I love him, so I become his sense of hearing with which he hears, and his sense of sight with which which he sees, and his hand with which he grips, and his foot with which he walks; and if he asks Me something, I will certainly give him, and if he asks My protection, I will protect him and I do not hesitate to do anything as I hesitate to take the soul

of such believer, for he hates death, and I hate to disappoint him". (Sahih Bukhari: Kitab Al-Riqaq)

شرح حدیث ولی

جس حدیث کا انتخاب کیا گیا ہے اُسے امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں کتاب الرقاق میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث قدسی ہے: جس طرح ہم کہتے ہیں: کہ اس حدیث کو ابو ہریرہ نے روایت کیا، یعنی کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا، اُسی طرح سے حدیث قدسی حدیث کی وہ قسم ہے جس کو اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنے رب سے روایت کیا۔ حدیث قدسی دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک حدیث وہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ، جبریل امین کے واسطے سے روایت کرتے ہیں (یعنی رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے روایت کیا اور جبریل نے اپنے رب سے روایت کیا)۔ دوسری حدیث قدسی وہ ہے جسے حضور ﷺ براہ راست اپنے رب سے روایت کرتے ہیں، اُس میں جبریل کا واسطہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کر رہے ہیں اور اللہ کے رسول اس کو رب العالمین سے روایت کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی رکھی۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں: جس نے میرے ولی کو اذیت دی۔ اور تیسری روایت میں ملتا ہے: جس نے میرے ولی کی توہین کی۔ دراصل یہ سب ہی اولیاء اللہ سے بغض اور عداوت کے مختلف مظاہر ہیں۔ ولی کے معنی دوست، مددگار، قریب، وارث، نگران، سرپرست، جانشین، نائب کے ہیں۔ دو معنی جوان میں سے انتہائی معروف ہیں، وہ ہیں دوست اور مددگار۔

حضرت سعدی شیرازی کہتے ہیں:

دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست، در پریشان حالی و در

ماندگی۔

دوست وہ ہوتا ہے جو مصیبت اور پریشانی میں دوست کے کام آئے۔ جب دوست مشکل میں ہو اور اُس وقت جو کام نہ آئے تو وہ دوست کس کام کا؟ اُس دوست کو کیا کرنا جو وقت ضرورت کام ہی نہ آئے۔

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

دنیا تے جو کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے

اُس بے فیضے سنگی کولوں بہتر یار اکیلے

یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی تو میں اُس کے ساتھ اعلان جنگ کر دیتا ہوں۔ اصول یہ ہے، کہ جو دوست کا دشمن ہوتا ہے وہ دشمن ہے اور جو دوست کا دوست ہے وہ دوست ہوتا ہے۔ رب کائنات جس کی صفت قہار اور جبار ہے وہ اُس شخص سے اعلان جنگ کرتا ہے جو اللہ کے ولی (دوست) سے دشمنی رکھے یا اُس کی توہین کرے۔

اس حدیث پاک کا پہلا جزو عقائد سے متعلق ہے اور دوسرا جزو اعمال سے

متعلق ہے۔ قرآن میں آیا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس: 62)

ترجمہ: خبردار! اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

یہ قرآن پاک کی مشہور ترین آیت ہے جس میں براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے بارے میں بیان فرمایا کہ نہ انھیں کوئی خوف ہے، اور نہ کوئی غم

ہے۔

شارحین کہتے ہیں جیسے قرآن میں اولیاء اللہ کی شان بیان کرنے کے لیے

درج بالا آیت ہے، اسی طرح حدیث میں اولیاء اللہ کی شان کے بارے میں جو سب سے بڑی بات کی گئی ہے، وہ یہی حدیث ہے جس کا آج درس ہو رہا ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران: 31)

ترجمہ: (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ فرمادیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔

اسی طرح اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے: کہ جب میں کسی کو محبوب بناتا ہوں تو میری محبوبیت کے مظاہر یہ ہوتے ہیں کہ اُس محبوب کے میں کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، میں اُس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

یہاں جو فرمایا کہ میں اُس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں، اس کا ایک معنی یہ بھی ہے، کہ اُس کے ہاتھ میرے حکم کے خلاف نہیں چلتے، اُس کی آنکھ میرے امر کے خلاف نہیں اٹھتی، اُس کے کان میری شریعت کی مخالفت میں نہیں سُنتے، اُس کے پاؤں میرے حکم کے خلاف نہیں اٹھتے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معنی ہے کہ میں اُس کی سماعت، بصارت، پکڑنے اور چلنے کی قوت کو اپنی حفاظت کے حصار میں لے لیتا ہوں۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ انبیاء معصوم اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ اللہ کے دوست اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں اپنے کرم سے اپنی رحمت، نصرت اور تائید کے حصار میں محفوظ کر لیتا ہے۔

ایک معنی اس کا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنی صفات کا مظہر بنا دیتا

ہے۔ علامہ اقبال نے بار بار مختلف پیرائے سے اپنی شاعری میں اس کا اظہار کیا، کہتے ہیں۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تُو، زباں تُو ہے
یقین پیدا کر اے غافل! کہ مغلوب گماں تو ہے
یعنی جس چیز کی کمی ہے وہ یقین ہے، تو پھر دوستی کیسے ہوگی، تعلق کہاں بنے گا،
جب تیرے پاس ٹائم ہی نہیں ہے دوستی کا، تُو مادیت اور دنیاوی اُمور کے اندر اتنا
مصروف ہو گیا ہے کہ تیرے پاس اپنے رب کو یاد کرنے کے لیے بھی وقت نہیں بچا تو
پھر دوستی کا سلسلہ کیسے شروع ہوگا؟

پھر فرمایا کہ اگر وہ مجھ سے کسی بات پر پناہ مانگے تو وہ بھی اُسے عطا کرتا ہوں
اور جب وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں ہر حال میں اُسے وہ دیتا ہوں جس کا وہ مجھ سے
سوال کرتا ہے۔ ویسے تو عام قاعدہ یہ ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا

دَعَانِ (البقرہ: 186)

ترجمہ: اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال
کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا
ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔ لیکن یہاں فرمایا کہ میں ہر حال میں اُس کو عطا کرتا
ہوں۔

علامہ اقبال کہتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کار کُشا کار ساز

رب العالمین نے اپنے بندوں کو یہ تصرف، طاقت اور اختیار عطا فرمایا کہ گویا

میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں، بصارت بن جاتا ہوں، اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ محدثین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ ولی کون ہوتا ہے؟

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (یونس: 63)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

یعنی جو شخص صاحب ایمان اور صاحب تقویٰ ہو وہ اللہ کا ولی ہوتا ہے۔ دوسری بات جو محدثین نے بیان کی وہ یہ کہ ولی اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا بندہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اخلاص اور زہد اور تقویٰ عطا فرمائے، عالم باللہ ہو اور عالم باحکام اللہ ہو۔

عالم باللہ اور عالم باحکام اللہ میں فرق ہے

ایک وہ شخص ہے جو قرآن، حدیث، فقہ، شریعت کی باریکیوں سے واقف ہے، اُس کو کہیں گے عالم باحکام اللہ۔ یعنی اللہ کے نازل کردہ احکام کا عالم۔ دوسرا ہے عالم باللہ، یعنی اُس ذات کا علم رکھنے والا جس نے یہ سارے احکام نازل کیے ہیں۔

امام ابو القاسم القشیری کے حوالہ سے امام ابن حجر عسقلانی نے ”فتح الباری“ میں اور امام عینی نے ”عمدة القاری“ میں نقل کیا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”اس دنیا میں بندے کے لیے جو قرب ہے، اُس کا مدار معرفت پر ہے کہ بندے کو اپنے مالک و مولا کی کتنی معرفت حاصل ہے اور آخرت میں اُس کے قرب کا مدار عرفان پر نہیں بلکہ رضوان پر ہوگا۔ یعنی بندے کا قرب معرفت الہی پر موقوف ہے، جیسے صوفیہ کہتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

ترجمہ: جس نے اپنی ذات کی معرفت حاصل کر لی اُس نے اپنے رب کی

معرفت حاصل کر لی۔

اللہ کی سب سے جامع ترین مخلوق انسان ہے، امام غزالی جس کے بارے میں فرماتے ہیں: **الانسان عالم الاصغر** انسان خود ایک چھوٹی سی کائنات ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: 56)

ترجمہ: اور میں نے پیدا نہیں فرمایا جن و انس کو مگر اس لیے کہ میری عبادت

کریں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں **”لِيَعْبُدُونِ“** سے مراد ہے **”لِيَعْرِفُونِ“** بندہ جس درجہ اپنے رب کا عرفان حاصل کرتا چلا جاتا ہے، اتنا ہی اُسے قرب الہی ملتا چلا جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں یہ قرب اللہ کی رضا پر موقوف ہوگا۔

امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ اور بشر حافی علیہ الرحمہ

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ مجتہدین میں سے ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے ایک بزرگ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں جایا کرتے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ تو خود امام ہیں، لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، بہت سے لوگ آپ کی تقلید کرتے ہیں، اُسے چاہیے کہ آپ کی مجلس میں آکر استفادہ کرے، آپ کیوں اس درویش کے پاس جا کر بیٹھتے ہیں؟ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ درست ہے کہ احکام کا علم میں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ رکھتا ہوں لیکن پھر بھی میں اُس کی صحبت کا محتاج ہوں کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا علم بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے۔ یعنی شریعت کو میں زیادہ جانتا ہوں اور شریعت والے کو بشر حافی زیادہ جانتا ہے۔ وہاں جا کر آپ جو فقرہ کہتے تھے: **”حدثني عن ربي“** مجھے

رب کے بارے میں بتائیے۔

یہ وہ مقام اور وہ طلب ہے جو بڑے بڑے علماء کو اٹھا کر صوفیہ کی بارگاہوں میں لے گئی۔ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ کون کون سے بڑے امام کس کس بڑے صوفی کے پاس استفادہ کے لیے جاتے رہے۔

مولانا روم علیہ الرحمہ اور شاہ شمس تبریز علیہ الرحمہ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ جب درس دیتے تھے تو آپ کی محفل میں اُس وقت کے بڑے بڑے علماء بیٹھے ہوتے تھے۔ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مجذوب تھے، انھیں الہام ہوا کہ دنیا میں فلاں مقام پر جائیے اور اُس عالم کی اصلاح کریں، وہاں پہنچے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ درس دے رہے تھے۔ فرمایا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟

مولانا روم علیہ الرحمہ نے فرمایا:

این است کہ تو نمی دانی

میاں مجذوب! ترجمہ: تمہیں کیا پتہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کتابوں کا ڈھیر اٹھایا اور پاس ایک حوض تھا، اُس میں پھینک دیا، مولانا کے اور سب علماء کے رنگ اڑ گئے، اُس زمانے میں پرینٹنگ تو ہوتی نہ تھی، کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، کتابیں پانی میں ڈالنے کا مطلب تھا کہ مولانا کا سارا علم ڈوب گیا، تو مولانا نے شمس تبریز سے کہا کہ یہ کیا کر دیا تم نے؟ تو حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

این است کہ تو نمی دانی

ترجمہ: یہ وہ ہے جو تو نہیں جانتا۔

پھر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے حوض میں ہاتھ ڈالا اور سب کتابیں اُس حوض سے خشک باہر نکال لیں۔ مولانا حیران ہوئے پوچھا، یہ تم نے کیسے کیا؟ تو شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ وہ جو تو بالکل ہی نہیں جانتا۔ تو مولانا کے اندر ایک تبدیلی آئی اور اُنھوں نے روحانیت و تصوف کو اختیار کیا۔ یہ بھی ایک الگ حقیقت ہے کہ اس اُمت کے جتنے بڑے بڑے علماء گزرے ہیں، اُن سب کے پیچھے کسی نہ کسی کامل بزرگ کی توجہ اور تصرف رہا ہے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا

صحابہ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت براء ابن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ سے پوچھا: کہ براء ابن مالک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، صحابہ نے عرض کی کہ حضور اگر وہ مجلس میں ہو تو کوئی دیکھتا نہیں اور نہ ہو تو کوئی اُس کے بارے میں پوچھتا نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں اُس کا مقام یہ ہے کہ یہ بکھرے ہوئے بالوں والا اور میلے کپڑوں والا براء ابن مالک رضی اللہ عنہ اگر اللہ کی ذات پر قسم کھالے تو اللہ پر لازم ہے کہ اللہ اُس کو پورا فرما دے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی صحابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستجاب الدعوات بنایا لیکن یہاں میں نے صرف ایک مثال پیش کی ہے۔ یہ لوگ اللہ کی محبوبیت کے اس درجہ پر فائز تھے کہ اگر وہ اللہ سے کسی چیز کا سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ اُنھیں ضرور عطا فرماتا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے کچھ ایسے دوست ہیں کہ بظاہر اُن کے حلیے ایسے ہوں گے کہ کوئی اُن کو دیکھ کر یہ نہ سمجھے گا کہ یہ کوئی بہت بڑا بزرگ ہے، لیکن اللہ کی

بارگاہ میں اُن کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ اللہ کی ذات پر کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ ہر حال میں اُس بات کو پورا فرما دیتا ہے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ جب جنگوں میں شریک ہوتے اور دشمن کا غلبہ ہوتا تو حضرات صحابہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے اور کہتے:

”یا براء اقسام علی ربك“ اے براء! اپنے رب پر قسم کھا کہ اللہ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے۔ تو حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کو قسم دیتے کہ اے اللہ! مسلمانوں کو فتح عطا فرما۔ آپ کے دعا کرنے کے بعد جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ عطا کرتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کی محبت میں اتنے مست تھے کہ ایک دن ایک صحابی ایک غزوہ میں شریک تھے اور کہا کہ اے اللہ! آج جو میں تیری خاطر اس غزوہ میں شریک ہوا ہوں تو اب میں یہاں سے واپس نہ جاؤں، میں تیری راہ میں لڑوں اور لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں، بس آج یہ میری آخری دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غزوہ میں اُنھیں شہادت کا منصب عطا فرمایا۔

عام طور پر اولیاء اللہ کے بارے میں زیادہ بیان ہوتا ہے، صحابہ بھی اولیاء اللہ ہی ہیں، امتیاز یہ ہے کہ اُنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ کرامت، تصرف اور کشف سب صحابہ ہی کی وراثت ہیں اور انہی سے آگے چلی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی صحابہ میں ایسی تھی کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو اللہ کی بارگاہ میں ایک صحابی نے اپنے آنکھیں بند کر کے اللہ سے دعا کی: یا اللہ! یہ آنکھیں جو تیرے محبوب کا چہرہ دیکھ چکی ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ اب تیرے محبوب کے چہرے کے علاوہ کسی اور چہرے کو دیکھیں میری بینائی واپس لے

لے۔ لہذا بینائی اسی وقت ختم ہوگئی۔

صحابہ اللہ اور اُس کے رسول کی محبت میں انتہائی مضبوط تھے اور یہی وراثت آگے چل کر اولیاء اللہ میں آئی۔ اس حدیث شریف کے آخر میں اللہ کی شان کریمی کا انتہائی عجیب ترین بیان ہے، ویسے تو روزانہ بہت سے لوگوں کو موت آتی ہے لیکن یہاں فرمایا کہ جب میرے کسی دوست کے جسم سے روح جدا کرنے کا وقت آتا ہے اور ملک الموت اُس کے پاس جاتا ہے تو فرمایا کہ مجھے اپنے کسی دیئے ہوئے حکم میں کبھی اتنا تردد نہیں ہوا، جتنا اُس وقت اپنے ہی جاری کردہ حکم کے نفاذ کے وقت مجھے تردد ہوتا ہے کہ یہ جو میرا محبوب اور پیارا بندہ ہے، آج اس کی روح اس کے جسم سے جدا ہو رہی ہے جو میں نے ہی پھونکی تھی۔ مجھے اُس کی گرانی پر ناگواری محسوس ہوتی ہے، مجھ پر یہ گراں گزرتا ہے پھر میں اُس کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیتا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ کا مفہوم ہی اگر ذہن میں رہ جائے تو بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ پہلی بات جو قرآن پاک میں بھی بیان ہوئی:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (المائدہ: 55)

ترجمہ: اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے مددگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب کوئی شخص میرے دوست کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے تو میں اُسے یہ اعزاز دیتا ہوں کہ بظاہر ہاتھ اُس کا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ میرا ہاتھ ہوتا ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

وہ حلق تو بندے کا ہوتا ہے لیکن اُس میں سے جو آواز نکل رہی ہوتی ہے وہ رب ذوالجلال کی ہوتی ہے۔

یہ اگر نبی کی زبان پر ہو تو وحی ہوتی ہے، اور اگر ولی کی زبان پر ہو تو الہام ہوتا ہے۔ یہ دونوں ثابت ہیں۔ اس حدیث مبارکہ میں ولی اللہ سے دوستی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

ع حُبِّ دَرَوِیْشَانِ کَلِیدِ جَنَّتِ اسْت

دشمن ایشان سزائے لعنت است

اللہ کے دوستوں کی دوستی ہی جنت کی کنجی ہے اور جہنم کا راستہ ہے، اللہ کے دوستوں سے دشمنی اور بغض اولیا۔

یہاں میں کچھ باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ ہمارے رب نے اپنی دوستی کو اپنے دوستوں کی دوستی سے مشروط کر دیا ہے، اللہ کے ولیوں سے بغض جس کا اس حدیث مبارکہ میں ذکر ہوا، کئی طرح کا ہوتا ہے، اس کو پرکھنے کا آسان طریقہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کے سامنے اللہ کے کسی دوست کا تذکرہ ہو اور وہ اپنے دل میں راحت اور فرحت کی کیفیت محسوس کرے، اُس کا دل کھل اُٹھے تو وہ سمجھ لے کہ میں مومن ہوں اور اگر اللہ کے کسی پیارے کی بات ہو اور اُس کا چہرہ مرجھا جائے تو وہ سمجھ لے کہ وہ منافق ہے۔

اس لیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اُس کا مالک ہے جب وہ کسی سے محبت رکھتا ہو اور بندہ اُس کی محبت سے بے نیاز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ جو بے نیاز ہے، غنی عن العالمین ہے، اللہ الصمد ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، اُس کو کسی کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ کسی سے محبت کرے۔ اس شان استغنا اور شان بے نیازی کے باوجود وہ

جس کا اپنی محبت کے لیے انتخاب کرے، اُس کا اکرام اور اعزاز کرے اور اس درجہ اعزاز و اکرام کرے کہ لوگوں کو شرک کا شبہ ہونے لگ جائے۔ جیسے ابلیس کو ہو گیا تھا، ابلیس بہت بڑا توحید پرست تھا، اللہ نے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرنا ہے، سرکاری حکم نامہ جاری ہوا کہ سب فرشتے اس خاکِ بشر کو سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

اُس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آگ مٹی کے آگے جھک جائے اور دوسری سوچ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے علاوہ میں کسی اور کو سجدہ کروں، پس یہ سوچ اُس کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ اللہ کے حکم کے آگے اُس نے اپنے ذہن اور اپنی سوچ کو آڑ بنا لیا۔

یہ جان لیں کہ یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا کہ اللہ کہہ رہا ہو کہ اب میرے ساتھ آدم کی بھی عبادت شروع کر دو۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، یہ ناممکن ہے کہ ذاتِ وحدہ لا شریک کسی کو اپنے علاوہ سجدہ کرنے کا حکم دے اور وہ سجدہ وہ جو عبادت کا ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سجدہ تعظیم و تکریم کا تھا، یہ کئی صدیوں تک رائج رہا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ تک یہ رائج رہا۔ آج بھی دنیا کے دوسرے مذاہب و اقوام میں آپ کو اس کی جھلک نظر آئے گی۔

قرب فرائض اور نوافل کا فرق:

اس حدیث مبارکہ کا دوسرا اہم جزو فرائض اور نوافل سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی وضاحت کر دی کہ سب سے زیادہ میرے قرب کے حصول کا ذریعہ فرائض ہیں یعنی وہ چیزیں جو میں نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں۔ یہاں سے فرض اور نفل کا فرق بھی واضح ہوتا ہے۔

جو قرب فرائض سے میسر آتا ہے وہ نوافل سے نہیں ملتا، یہاں تک کہ جن نوافل کا مدار فرائض پر نہ ہو، وہ نوافل بذات خود بے کار ہو جاتے ہیں۔ یعنی نوافل اُس وقت کارآمد اور مفید ہوں گے جب آپ کے فرائض مکمل ہوں۔ بعض لوگ رمضان کی آمد پر نوافل پڑھنا شروع کر دیتے ہیں لیکن رمضان جاتا ہے تو فرض نماز بھی یاد نہیں رہتی۔ یہ ایک طرح کی خود فریبی اور دھوکہ ہے۔

یہ اصول ہے کہ جس شخص کے ذمہ فرض ابھی باقی ہوں یا قضاء ہو گئے ہوں، اُس کے نوافل قبول نہیں ہوتے۔ اُس کو چاہیے کہ اپنی پچھلی فرض نمازیں جو چھوٹ گئی ہیں وہ پہلے ادا کرے ورنہ وہ ایک طرح کی خود فریبی ہوگی۔ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ ایسا شخص ہے جیسے کوئی بیل سے بچہ مانگ رہا ہو، یعنی اس کی عبادت کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

فرائض کے ساتھ دوسری اہم بات جو نفلی عبادات سے افضل ہے، وہ حرام چیزوں سے بچنا ہے۔ فرائض کو ادا کرتا ہے اور حرام چیزوں سے بچنا، یہی تقویٰ ہے۔ جو شخص اللہ کے حکم کردہ کو ادا کرے اور منع کردہ سے رُک جائے وہ ہی متقی ہے۔ فرائض کی ادائیگی اور حرام چیزوں سے بچنا، یہ ہمارے دین کی بنیاد ہیں۔ یہاں آپ ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جو کچھ اس حدیث میں بیان ہو رہا ہے، اُس کے مخالف جو بھی بات ہوگی اُس کا نتیجہ بھی اُس کے مطابق ہی ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا کہ جس نے میرے دوست کے ساتھ دشمنی رکھی اُس کے ساتھ میرا اعلان جنگ (دشمنی) ہے تو یہ بات واضح (Understood) ہوگی کہ جس نے میرے دوست کے ساتھ دوستی رکھی، اُس کے ساتھ میری بھی دوستی ہے۔ اسی طرح جیسا قرب الہی فرائض کے ساتھ مل سکتا ہے ویسا قرب الہی کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ بندہ بتدریج نوافل کے ذریعے میرا قرب

حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر دوست محبوب بھی ہو، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی دوست تو ہے لیکن وہ خود ہمارا مُحب ہے، وہ اپنے جذبہ محبت کے ذریعے ہمیں دوست رکھے ہوئے ہے کہ اُسے ہم سے محبت ہے، کچھ دوست ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے محبوب ہوتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ فرائض اور نفل دونوں مقام محبوبیت کے حصول کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف نفل سے ہی محبوبیت حاصل ہوگی۔ یعنی فرائض کو ادا کر لینے کے بعد اب جو نفل عبادات ہیں اُن کی کثرت کا تسلسل قائم رکھنے سے وہ میرے قرب کے مدارج طے کرتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ وہ مقام محبوبیت پر فائز ہو گیا۔

یہاں یہ سوال ذہن میں اُٹھ سکتا ہے کہ قرب تو اللہ ہی کا ہے، چاہے فرائض سے ہو چاہے نوافل سے ہو۔ پھر فرض اور نفل ادا کرنے میں فرق کیا ہوا؟ یہ بہت باریک نکتہ ہے۔

فرض کریں کہ ایک شخص فرائض ادا کر رہا ہے اور نوافل وغیرہ کوئی نہیں پڑھ رہا تو وہ شخص بہترین راستہ پر گامزن ہے، وہ اللہ کے قرب کے راستہ پر جا رہا ہے جبکہ ایک شخص صرف نوافل پڑھ رہا ہے، مستحبات، مباحات جو آج کل ہمارے دینی حلقوں میں بہت رائج ہیں، جو اضافی چیزیں ہیں، جن کے بارے میں سوال نہیں ہونا، ہم لوگ اُن پر زور دیتے ہیں جیسا کہ تسبیحات، اذکار، وظائف۔ یہ سب اضافی چیزیں ہیں۔ جیسے آپ کے گھر کی آرائش (Decoration) ہوتی ہے۔ گھر کی بنیاد ہوگی تو آرائش ممکن ہوگی۔ فرائض بنیاد ہیں، درود یوار ہیں۔ جب دیوار ہی نہیں ہوگی تو Paint کہاں کریں گے۔ ایک اور اہم بات یہ کہ علم دین حاصل کرنا فرض کے درجہ میں ہے، حدیث شریف میں ہے:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ہمارا ایک طرح کا مزاج بن چکا ہے کہ درس کے دوران ہمارے حضرات اذکار میں مشغول ہوتے ہیں جو کہ مستحبات اور نوافل کے زمرہ میں آتے ہیں۔ درس جو فرض ہے، اُس میں کیسے دھیان لگے گا اگر آپ تسبیحات میں مشغول ہیں۔ جبکہ علم حاصل کرنا خود ذکر ہے اور یہ مجموعہ عبادات ہے۔ آپ ذکر کر بھی رہے ہیں، ذکر سن بھی رہے ہیں۔ درس بیک وقت علم بھی ہے اور ذکر بھی ہے۔ اجر و ثواب آپ کو ہر لمحہ مل رہا ہے جب تک آپ درس میں شامل ہیں۔ درس کی محافل اتنی اہم ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

تدارس العلم ساعة من الليل خير من احياءها

ترجمہ: ایک گھڑی علم دین سیکھ لینا ساری رات جاگ کر نفل پڑھنے سے افضل

ہے۔

نیک لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک ابرار ہیں، اور دوسرے مقربین ہیں۔ ابرار وہ ہیں جو نیکیوں کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، مقربین وہ ہیں جو نیکیوں اور عبادات کے ساتھ ساتھ آزمائش اور امتحان سے بھی گزرتے ہیں جیسے انبیاء کرام علیہم السلام گزرے۔ باوجود کہ وہ انتہائی قرب کے مقام پر فائز تھے پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء پر آتی ہیں اور سب انبیاء سے زیادہ آزمائشیں مجھ پر آئیں ہیں۔

۱- سنن ابن ماجہ، المقدمة، رقم: 220

۲- سنن دارمی، المقدمة، رقم: 266 عن ابن عباس۔

یہ ہے اللہ کی دوستی کی معراج۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ یہ صرف میرا Label ہی لگا کر دوست بنا ہے یا میری خاطر کچھ کرتا بھی ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قربانی لی اور وہ خلیل بنے۔ جس درجہ کی دوستی ہوگی، اسی درجہ کا امتحان ہوگا۔ ایک شخص عمل کر رہا ہے حصول جنت کے لیے اور جہنم سے پناہ کے لیے۔ یہ بھی اللہ کا بندہ ہے اور یہ ٹھیک کر رہا ہے۔ یہ شریعت کے عین حکم کے مطابق ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو مالک حقیقی کی رضا کے لیے عمل کر رہا ہے۔ عمل دونوں کا ایک جیسا ہے۔ دونوں ایک ہی مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن نماز کے جو نتائج اور ثمرات ہیں ان میں زمین و آسمان کا فرق آ رہا ہے، اُس کے باطنی اخلاص اور نیت کی وجہ سے۔

ایک کی منزل جنت ہے اور دوسرے کی منزل مالک جنت ہے۔ اسی طرح صوفیہ کہتے ہیں کچھ لوگ حج کرتے ہیں اور ان کی نظر کعبۃ اللہ تک ہوتی ہے اور کچھ لوگ حج کرتے ہیں تو ان کی نگاہ رب کعبہ پر ہوتی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جنت میں اللہ کی رضا جنت سے بڑھ کر ہے اور دوزخ میں اللہ کی ناراضگی دوزخ سے بدتر ہے۔ فرائض اور نفل کے بارے میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت ہی اہم بات بیان کی ہے، فرماتے ہیں: اللہ کی طرف جانے والے راستے دو طرح کے ہیں، ایک کو طریق ولایت کہتے ہیں، اور دوسرے کو طریق نبوت کہتے ہیں۔

یعنی کوئی بھی شخص جو روحانیت و سلوک کا سفر طے کر رہا ہے وہ ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک راستے پر ہوگا۔ اسی طرح اللہ رب العالمین کی بارگاہ سے جو فیض صادر ہوتا ہے وہ بھی دو طرح سے ہی ملتا ہے۔ فرض کر لیں دو دائرے ہیں۔ ایک کا نام دائرہ ولایت ہے جبکہ دوسرے کا نام دائرہ نبوت ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہر نبی

ولی بھی ہوتا ہے لیکن کوئی ولی نبی نہیں ہوتا۔

یعنی ایک فیض وہ اپنے رب کی بارگاہ سے بطریق ولایت حاصل کرتا ہے اور ایک فیض اپنے رب کی بارگاہ سے بطریق نبوت لے رہا ہوتا ہے۔ یہ نبی کا خاصہ ہے، ولی کا نہیں۔ ولی صرف ولایت کے راستے سے ہی فیض لے رہا ہوتا ہے۔ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے تابع ہے۔ عالم روحانیت میں بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ کوئی ولی موسوی المشرب ہوتا ہے۔ جیسے Blood Group ہوتے ہیں، اسی طرح روحانیت کے بھی Group ہوتے ہیں۔ کسی کی روح کا گروپ موسوی ہے، کسی کا عیسوی ہے، کوئی ابراہیمی ہے اور کوئی کوئی ہے جو محمدی ہے۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی روحیں وہ ہوتی ہیں جو محمدی المشرب ہوتی ہیں۔ نفل اور فرض میں آسان الفاظ میں فرق وہی ہے جو نبی اور ولی میں ہے۔ فرض عبادت کے فرائض اور ثمرات وہ ہوتے ہیں جو فیوضات نبوت ہیں اور نفلی عبادت کے فوائد و ثمرات وہ ہوتے ہیں جو فیضان ولایت ہیں۔ جس وقت آپ فرض ادا کر رہے ہوتے ہیں تو اُس کا فیض دائرہ نبوت سے آ رہا ہوتا ہے اور جس وقت کوئی نفلی عبادت کر رہے ہوتے ہیں تو اُس کا فیض دائرہ ولایت سے آ رہا ہوتا ہے۔ نبوت کا فیض باوجود غیر نبی ہونے کے امتی کو ملتا ہے جس طرح ایک نوکر، غلام، خادم (ایک ادنیٰ ترین شخص) بادشاہ کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا رہا ہو۔ لیکن اس دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے وہ بادشاہ نہیں بن گیا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جعلت قرۃ عینی فی الصلاة۔

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

”الصلاة معراج المؤمن“ ترجمہ: نماز مومن کی معراج ہے۔

تو مومن معراج اور سدرۃ المنتہیٰ پر تھوڑا ہی چلا جاتا ہے بلکہ باوجود ایک نوکر اور خادم ہونے کے اُسے اُس شاہی دسترخوان پر کھانا کھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ یعنی لنگر نبوت اُسے نصیب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنے پیاروں کی محبت و دوستی عطا فرمائے اور فرائض اور نوافل دونوں کے ذریعے اپنا قرب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
(آمین)

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عالم کا حق یہ ہے کہ نہ اس پر بہت
زیادہ سوالوں کا بوجھ ڈالو، نہ اسے
جواب دینے پر مجبور کرو، نہ اس کا راز
فاش کرو، نہ اس کی عیب جوئی کرو، اسے
ٹھوکر لگے تو عذر قبول کرو، جب تک امر
الہی پر استوار ہے، اس کی عزت کرو،
اس کے آگے نہ بیٹھو اور ضرورت پیش
آئے تو سب سے پہلے اس کی خدمت
پر کھڑے ہو جاؤ۔

درس حدیث نمبر: 5

الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ
(اللہ کے لیے محبت، اللہ کے لیے دشمنی)

الحب في الله والبغض في الله

أَحْمَدُ لِلَّهِ تَحْمِيدُهُ وَنُصَلِّيُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّبُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ اذا

احب عبدا دعا جبرئیل علیہ السلام فقال: انی احب فلانا

فاحبه قال فيحبه جبرئیل ثم ينادی فی السماء فيقول ان اللہ

يحب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء قال ثم يوضع له القبول فی

الارض و اذا ابغض اللہ عبدا دعا جبرئیل فيقول انی ابغض

فلانا فابغضه قال فيبغضه جبرئیل ثم ينادی فی اهل السماء ان

اللہ يبغض فلانا فابغضوه قال فيبغضونه ثم توضع له البغضاء فی

الارض

صحیح مسلم: کتاب البر والصلة، باب اذا احب عبد الامر جبرئیل: 331/2

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے۔ تو جبرائیل کو بلاتا ہے فرماتا ہے میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کرو۔ فرمایا جبرائیل اس سے محبت کرتا ہے پھر آسمان والوں میں منادی کرتا ہے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں، اے آسمان والوں تم بھی اس سے محبت رکھو۔ تو زمین میں بھی اللہ کے اس دوست کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ اور جب اللہ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے یہ جبرائیل کو طلب کرتا ہے اور فرماتا ہے میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں تم بھی اس سے بغض کرو۔ جبرائیل بھی اس سے بغض رکھتا ہے اور پھر آسمان میں منادی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے اس لیے اے آسمان والوں تم سب بھی اس سے بغض رکھو۔ وہ سب اس سے بغض رکھتے ہیں پھر زمین کے اندر بھی اس کے لیے بغض رکھ دیا جاتا ہے۔

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض

اس سے پہلے والے دروس میں میں نے عرض کیا تھا، بلاشبہ قرآن اور حدیث ہمارے لیے منبع علم ہیں، سرچشمہ ہدایت ہیں۔ مسلمان کے لیے علم کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن و حدیث ہیں۔ لیکن اس کا ایک بہت بڑا اور عظیم پہلو جس کو فراموش کر دیا گیا ہے، وہ اس کلام کی صحبت اور برکات کا حصول ہے۔

ائمہ محدثین کا یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو شخص حلقہ حدیث میں حاضر ہے، وہ گویا حلقہ نبوی میں حاضر ہے۔ کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے وہ صاحب کلام کی صحبت بالواسطہ طور پر حاصل کر رہا ہے۔ اس لیے ائمہ نے اس مجلس کے وہی آداب لکھے ہیں جو آداب صحابہ کرام کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتے تھے

اور جو آداب کسی مسلمان کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں، وہی آداب مجلس حدیث نبوی کے ہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ مدینہ میں مسجد نبوی شریف میں مسند رسالت پر بیٹھ کر حدیث پڑھاتے تھے۔ یعنی صاحب حدیث کی بارگاہ میں بیٹھ کر حدیث پڑھانا، یہ ایک الگ تجربہ اور الگ کیفیت ہے۔ میں نے ذاتی طور پر الحمد للہ اس کی لذت پائی ہے۔

یہ اہل مدینہ کی روایت چودہ سو سال سے چلی آرہی ہے، وہاں رمضان المبارک میں عصر سے مغرب ایک حدیث کا حلقہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی اُس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ امام مالک کے حلقہ حدیث میں خلیفہ وقت بھی طالب علموں کی طرح آکر بیٹھ جاتا تھا، علم حدیث کے شائقین بہت دور دراز سے سفر کر کے آپ کے حلقہ درس میں حاضری دیتے تھے۔ افریقہ تک سے اُس وقت لوگ آتے تھے۔ اسی لیے فقہ مالکی افریقہ میں زیادہ ہے۔ اُس زمانہ میں سمندر کا سفر کرنا، جب یہ بھی یقین نہیں ہوتا تھا کہ پتہ نہیں پہنچنا بھی ہے یا نہیں۔ یا پھر پیدل سفر کر کے آنا۔ جس طرح نماز میں زیادہ لوگ ہوں اور امام کی آواز دور والے لوگوں تک نہ پہنچے تو کچھ صفیں چھوڑ کر مکبر کھڑا کر دیتے ہیں اسی طرح پرانے زمانہ میں جب حلقہ حدیث بہت بڑھ جاتا تو چند صفیں چھوڑ کر ایک شخص کھڑا کر دیا جاتا جسے مستملى کہتے ہیں، وہ شیخ سے سُن کر اگلوں کو سناتا، جن تک شیخ کی آواز نہیں پہنچ رہی۔ تاکہ شیخ سے روایت کرنے والوں میں اُن کا شمار براہ راست ہو جائے۔ یہ محدثین کا ایک طریقہ تھا۔

آداب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

جب امام مالک علیہ الرحمہ کا حلقہ بہت بڑھ گیا، تو شاگردوں نے عرض کی کہ

حضور یہاں کوئی مستملى کھڑا کر لیا جائے تاکہ جو لوگ دور ہیں آواز نہیں سن سکتے، اُن تک بھی آپ کی بیان کردہ حدیث پہنچ جائے۔ تو امام مالک علیہ الرحمہ نے جو عذر پیش کیا، فرمایا لوگو! یہ یاد رکھو کہ ہم اس وقت کہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم جس بارگاہ میں بیٹھے ہیں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات: 2)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے

بلند مت کیا کرو۔

یعنی آج بھی بعد از وصال روزہ انور، حرم شریف کے اندر بیٹھے ہوئے شخص کے لیے وہی آداب مطلوب ہیں کہ یہاں اپنی آواز کو بلند نہیں کرنا۔ اس عذر کی وجہ سے امام مالک نے فرمایا کہ یہاں مستملى کھڑا نہیں ہو سکتا۔

یمن میں کوئی محدث بیٹھا ہوا ہو تو چاہے پچاس مستملى کھڑے ہو جائیں کوئی حرج نہیں، شام میں بیٹھا ہوا ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ ہم تو بارگاہ رسالت میں بیٹھے ہیں۔

اس لیے حضرات گرامی! یہ جو حلقہ حدیث ہے، اس کے بہت آداب ہیں اور پھر ان آداب کو بجالانے سے وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جن کی طرف میرا اشارہ ہے۔

صوفیہ کرام یہ فرماتے ہیں کہ کلام متکلم کی صحبت کا فائدہ دیتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، کہ امام ترمذی کی کتاب الجامع الترمذی، جس گھر میں اور جس جگہ پر کھلی ہوئی ہو، گویا اُس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر گفتگو فرما رہے ہوتے ہیں۔ (بتان المحدثین)

یہ ایسا حلقہ ہے جو آج ہمیں خوش نصیبی سے میسر ہے۔ اس لیے برکات حدیث

کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھ کر یہاں بیٹھیں اور استفادہ کریں۔

ہمارا آج کا مضمون ہے: اللہ کے لیے دوسروں سے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لیے دوسروں سے بُغض رکھنا۔ یہ بہت ہی دلچسپ، خوبصورت اور ایمان افروز موضوع ہے، جس کو حدیث کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں:

الحب فی اللہ البغض فی اللہ

یہ مضمون اتنا پیارا ہے کہ میں چاہ رہا تھا کہ اس کی شرح ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فرامین سے کریں "شرح الحدیث بالحدیث" یعنی حدیث ہی کے ذریعے حدیث کی شرح ہو اور زیادہ سے زیادہ ہمارا وقت حدیث کی برکات حاصل کرنے میں صرف ہو۔

اللہ کے ولی کی محبت

وعن انس رضی اللہ عنہ، عن النبی ﷺ قال: ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان: ان يكون الله ورسوله احب اليه مما سواهما، وان يحب المرء لا يحبه الا الله، وان يكره ان يعود في الكفر بعد ان انقذه الله منه كما يكره ان يقذف في النار.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کے اندر پائی جائیں گی، وہ ایمان کی حلاوت کو پالے گا۔

۱۔ اللہ اور اس کا رسول اُسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔

۲۔ وہ جس کسی سے محبت کرے صرف اللہ کی رضا کے لیے کرے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوة الایمان۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب، خصال من اتصف بھن وجد حلاوة الایمان

۳۔ ایمان لانے کے بعد وہ کفر میں لوٹ جانے سے ایسے ہی ڈرے جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے سے ڈرتا ہے۔

یہاں یہ بات آپ نوٹ کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا بھی ذکر کیا۔ یعنی یہ دونوں محبتیں لازم و ملزوم ہے کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی آپ کا محبوب ہو اور اُس کا محبوب آپ کا محبوب نہ ہو، کوئی آپ کا دوست ہو اور اُس کا دوست آپ کا دوست نہ ہو۔ اسی طرح کوئی آپ کے دوست کا دشمن ہو اور وہ آپ کا دشمن نہ ہو۔

یعنی اللہ کی محبت کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی مذکور اور مطلوب ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دو کر کے نہیں بلکہ ایک کر کے بیان کیا ہے۔ یہ دونوں محبتیں ایمان کی بنیاد ہیں۔

اسی لیے بخاری، مسلم اور صحاح میں جو کتاب الایمان کی روایات ہیں، اُس میں محدثین نے علیحدہ علیحدہ باب باندھے ہیں، کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ رکھے اُس کا ایمان نہیں۔ یعنی ایسے شخص کے ایمان کی نفی کر دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن انس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ لا يؤمن احدكم

حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين^۱

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والد، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جاؤں۔

تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ میں اُسے اُس کے ماں

۱۔ کتاب الایمان، باب، حب الرسول من الایمان

باپ، اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

امام بیہانی علیہ الرحمہ نے ایک بڑا خوبصورت نکتہ بیان کیا، فرماتے ہیں: انسانی محبت کا جب آغاز ہوتا ہے، تو وہ اللہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ ہم اگر اللہ کے رسول سے بھی سب سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں اور سب سے زیادہ انہیں چاہتے ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ اللہ بھی انہیں سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لہذا ہمارے بھی محبوب اعظم ہیں۔ تو گویا محبت کی بنیاد ہر جگہ حب فی اللہ ہے۔

یہی اُسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں عطا فرمایا گیا اور یہی وہ بات تھی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب اعظم بنایا۔ آپ نے اپنی فکر، سوچ، اور محبت کا مرکزی نکتہ ذات باری تعالیٰ کو بنایا اور اس حد تک بنایا کہ اُس سے زیادہ انسان کے بس میں نہیں۔ اُس کا اجر یہ ملا کہ اللہ نے آپ کو محبوب اعظم بنا دیا کہ اب اللہ کی محبت کا مرکز بھی یہی ہیں اور اللہ کی ساری مخلوق کی محبت کا مرکز بھی یہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور دشمنی کرنا

اللہ رب العالمین کے لیے محبت رکھنا اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنا، یہ ایک ایسا عمل ہے کہ بعض روایات میں اس کو نماز، روزہ اور جہاد سے بھی زیادہ اہم فرمایا گیا ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ تعالیٰ یقول
یوم القیامۃ: این المتحابون بجلالی الیوم اظلم فی ظلی یوم
لا ظل الا ظلی ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، میرے جلال کی وجہ سے ایک دوہرے سے محبت کرنے والے کہاں ہیں، آج میں اُن کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دوں گا جب کہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔

اُس محشر سامانی کے اندر، حشر کے دن رب العالمین کی بارگاہ سے ایک ندا آئے گی، کہاں ہیں وہ لوگ جو دنیا میں صرف میرے جاو و جلال اور میرا غلبہ محبت کی وجہ سے آپس میں محبت کیا کرتے تھے، جنہیں میری محبت نے ایک چھت کے نیچے جمع کیا۔ آج میں اُن کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا کروں گا اور آج وہ دن ہے جس دن سوائے میرے سایہ رحمت کے کسی سائے کا وجود ہی نہیں۔ آج میں انہیں سائبان رحمت عطا کروں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: سبعة يظلمهم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله: امام عادل وشاب نشأ في عبادة الله (عز وجل) ورجل قلبه معلق بالساجد، ورجلان تحابا في الله اجتبعنا عليه وتفرقا عليه ورجل دعت امرأة ذات حسن وجمال فقال اني اخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه ك

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا جس دن اُس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ عادل بادشاہ کو، وہ

۱- بخاری: کتاب الرقاق، باب البرکاء من خشية الله

نو جوان جو اللہ کی عبادت کرتا ہوا جوان ہوا، وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہو، وہ دو شخص جو اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور اسی محبت پر وہ آپس میں ملتے ہوں اور اسی محبت پر وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوں، وہ آدمی جسے حسین و جمیل عورت اپنی طرف دعوت دے تو وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جو صدقہ کرے تو اُسے اتنا پوشیدہ رکھے کہ اُس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اُس نے دائیں ہاتھ سے خرچ کیا ہے، وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے تو اُس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔

اُن سات لوگوں (خاص الخاص) میں سے ایک گروہ اُن لوگوں کا ہوگا، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ رحمت عطا کرے گا، جس دن اُس سایہ رحمت کے کوئی سایہ نہیں ہوگا، رب العالمین کی بارگاہ سے ان میں سے ایک گروہ اُن لوگوں کا ہے جو آپس میں صرف اللہ کے لیے محبت رکھتے ہوں گے۔

قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی یہ صفت بیان کی:

هُم مَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
بَيْنَهُمْ (الف: 29)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور وہ جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

صحابہ میں بے شمار اوصاف تھے لیکن صحابہ کا جو خاص وصف قرآن نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں بڑے نرم ہیں۔ مومنوں کی اس باہمی محبت کے بارے میں سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوُّوْا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ
اِلَيْهِمْ (الحشر: 9)

ترجمہ: اور اُن کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان پر ثابت قدم ہیں محبت کرتے ہیں اُن سے جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آئے۔

اس کے علاوہ بھی بہت ساری آیات ہیں، جیسے سورۃ البقرۃ میں ایک آیت ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ط (البقرہ: 165)

ترجمہ: جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یہ جو ذوقی محبت ہے، میں یہ سمجھتا ہوں، کہ یہ وہ چیز ہے جس کے لیے دنیا میں

پیغمبر، نبی اور رسول آئے۔ انسانوں کے باطن میں یہ بوٹی لگانے کے لیے اللہ تعالیٰ

نے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا۔ جیسا کہ حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا:

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو

ولی کو ولی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور باقی جس کسی

سے بھی کرتا ہے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، قال قال رسول اللہ ﷺ والذی

نفسی بیدہ لا تدخلوا الجنۃ حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا،

اولا ادلکم علی شیء اذا فعلتہوہ تحاببتم ؟ افشوا السلام

بینکم

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم

جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک مومن نہ بن جاؤ اور مومن نہیں بن سکتے جب تک

ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایک چیز نہ بتاؤں کہ تم اس پر عمل کرو تو

۱- مسلم: کتاب الایمان، باب ان اللہ لا یدخل الجنۃ الا المؤمنون

ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کو عام کرو۔
یہ نسخہ بھی سمجھایا کہ آپس میں محبت پیدا کیسے ہوتی ہے۔ ایک فطری محبت ہوتی ہے جو اولاد کے لیے ماں باپ کے دل میں، ماں باپ کے دل میں اولاد کے لیے، اسی طرح دنیا میں جتنے بھی رشتے ہیں یہ محبت انسانوں میں ہی نہیں بلکہ جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ میں اس محبت کی بات نہیں کر رہا۔

بات ہو رہی ہے اُس محبت کی جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ یعنی انسان یہ سمجھے کہ یہ بھی اُسی رب کا بندہ ہے جس کا میں بندہ ہوں اور اُسی رب کو اپنا معبود و مقصود اور مطلوب حقیقی سمجھتا ہے، جس کو میں اپنا معبود حقیقی سمجھتا ہوں۔ اس محبت کے مظاہر آپ کو حضرات صحابہ میں نظر آئیں گے، اس کے بعد میں عرض کرتا ہوں۔

ہمارے ہاں ایک اصطلاح ہے ”پیر بھائی“ کی۔ میں اکثر یہ مثال عرض کر دیا کرتا ہوں کہ بعض لوگ اپنے پیر بھائیوں سے بہت محبت کرتے ہیں اور ہونی بھی چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ میرے شیخ و مرشد کا مرید ہے اور اُن سے وابستہ ہے لیکن اگر اس کی حدود کو اور بڑھالیں تو یہ احادیث جتنی بھی ہم پڑھیں گے، ان کی روح سمجھ آئے گی۔ جب اس کو اور بڑھائیں کہ یہ شخص ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہے۔ جس کو علامہ اقبال نے کہا:

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم

زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

وہ کہتے ہیں کہ ہم سب لوگ جس تعلق کی وجہ سے آپس میں وابستہ ہیں وہ تعلق یہ ہے کہ ہم سب کا محبوب ایک ہی محبوب حجازی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک ہی محبوب کے سارے محب ہیں۔ ایک ہی آقا کے سارے غلام ہیں اور ایک ہی نبی کے سارے اُمتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ تعلق اُس تعلق سے بہت بڑا، گہرا اور اہم ہے۔ اب اگر

اس کو اور ذرا بڑھا دیں، جس سے زیادہ بڑھانا ممکن نہیں وہ یہ ہے کہ یہ اُسی رب کا بندہ ہے جو میرا بھی خالق و مالک ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کہتے ہیں:

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است

کہ ما پروردہ یک نو بہار ایم

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر رنگ و نسل کی تمیز کرنا مسلمان ہونے کے ناطے حرام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم تو ایک ہی بہار کہ پروردہ ہیں۔ ہم کالے تھے یا گورے تھے، سرخ تھے یا سفید تھے، ہم سب کو ایک ہی بہار نے نوازا ہے۔ جو چودہ سو سال پہلے وادیِ فاران سے اُٹھی تھی، اُسی بہار نے ہمیں پروان چڑھایا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، عن النبی ﷺ ان رجلاً زار اخا

لہ فی قریۃ اخری فارصد اللہ تعالیٰ علی مدرجتہ ملکاً فلما اتی علیہ

قال: این ترید؟ قال: ارید اخالی فی ہذہ القریۃ، قال: هل لك

علیہ من نعبۃ تربہا علیہ؟ قال: لا، غیر انی احببتہ فی اللہ تعالیٰ،

قال: فانی رسول اللہ الیک بان اللہ قد احبک کیا احببتہ فیہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ حضور ﷺ سے

روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی کسی دوسرے گاؤں میں اپنے بھائی کو ملنے کے لیے گیا

تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی حفاظت کے لیے اس کے راستے پر ایک فرشتہ متعین فرما دیا،

جب وہ شخص اُس فرشتے کے پاس سے گزرا تو اُس فرشتے نے پوچھا: کہاں جا رہے

۱۔ مسلم: کتاب البر، باب فضل الحب فی اللہ: مسند احمد: 292/2، ابن حبان رقم: 572، الترغیب

والترہیب: 605/3، رقم: 4436)

ہو؟ اُس نے کہا کہ میں ایک گاؤں میں اپنے بھائی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا تم پر اُس کا کوئی احسان ہے جس کی خاطر تو اُس سے ملنے جا رہا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اُس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خوشخبری کے ساتھ تیری طرف بھیجا گیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے اسی طرح محبت کرتا ہے، جس طرح تو نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس شخص سے محبت کی۔

جانے والے کا اُس شخص سے کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے اور نہ ہی اُس سے کوئی کام ہے بلکہ وہ یہ سفر صرف اور صرف اس لیے کر رہا ہے کہ وہ بھی اُسی رب کو چاہتا ہے میں بھی اُسی رب کو چاہتا ہوں۔ جس پر فرشتہ اُسے بشارت سناتا ہے کہ میں اللہ کا فرشتہ ہوں اور اللہ نے مجھے بھیجا ہے اور اللہ تمہیں یہ کہتا ہے اے بندے! جس طرح تو اُس شخص کو چاہتا ہے، تیرا رب اُس سے بڑھ کر تجھے چاہتا ہے۔

حضرت ابو ادريس خولاني عليه الرحمہ کا فرمان

وعن ابى ادريس الخولانى رحمه الله قال: دخلت مسجد دمشق فاذا فتى براق الثنايا واذا الناس معه فاذا اختلفوا فى شىء اسندوه اليه وصدروا عن رايه فسالت عنه فقول: هذا معاذ بن جبل رضى الله عنه فلما كان من الغد هجرت فوجدته قد سبقنى بالتهجير ووجدته يصلى فانتظرت حتى قضى صلوته ثم جئته من قبل وجهه فسلبت عليه ثم قلت: والله انى لاحبك فقال: الله؛ فقلت: الله. فقال: الله؛ فقلت: الله، فاخذنى بحبوة ردائى فجبذنى اليه فقال: ابشر فانى سمعت رسول الله ﷺ يقول: قال الله تعالى

وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتبازلین ۱

ترجمہ: حضرت ابو ادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرمایا میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک نوجوان کو دیکھا جس کے دانتوں سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، بہت سے لوگ اُس کے گرد جمع تھے اور جب اُن لوگوں کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو وہ سب اُس نوجوان کی طرف رجوع کرتے اور اُس کی رائے پر عمل پیرا ہوتے، میں نے جب لوگوں سے اُس نوجوان کے متعلق پوچھا تو کہا گیا کہ یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرے دن میں صبح اُس مسجد میں گیا تو وہ مجھ سے پہلے وہاں موجود تھے اور میں نے اُن کو حالت نماز میں پایا، میں نے انتظار کیا، حتیٰ کہ آپ نے نماز مکمل کی، پھر میں اُن کے پاس گیا اور اُنھیں سلام کیا اور اُس کے بعد میں نے عرض کیا بخدا! میں آپ سے محبت رکھتا ہوں اُنھوں نے کہا خدا کی قسم؟ میں نے عرض کیا خدا کی قسم۔ اُنھوں نے ایک بار پھر پوچھا خدا کی قسم؟ میں نے عرض کیا خدا کی قسم۔ اُنھوں نے میری چادر کے پلو کو پکڑا اور مجھے اپنی جانب کھینچ کر فرمایا تمہیں خوشخبری ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری محبت واجب ہوگئی اُن لوگوں کے لیے جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، میری رضا کی خاطر ایک دوسرے سے ہم نشینی کرتے ہیں، میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری ہی رضا کی خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بڑے پیارے صحابی ہیں، جوانی ہی میں آپ

۱- موطا امام مالک: کتاب الجامع، باب کاالمختارین فی اللہ، صحیح ابن حبان: رقم: 575.577، الترغیب والترہیب: 605/3، رقم: 4437

کی وفات ہو گئی تھی، غالباً بتیس سال عمر تھی، جب آپ اس دنیا سے چلے گئے، یہ وہ شخص ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے قاضی کے طور پر منتخب کیا، یہ دمشق میں بہت عرصہ علم کا مرکز اور منبع بن کر رہے اور وہاں فروغ حدیث کی خدمت کی۔ ان کا حلقہ حدیث جامع مسجد دمشق میں لگتا تھا۔ اُس وقت ان کی عمر تقریباً بیس بائیس سال تھی۔

اب دیکھنے والے کے الفاظ سُنئے، کیسے قدر شناس لوگ تھے، یہ دیکھنے والے راوی خود امام ہیں، بہت بڑے تابعی ہیں، ابی ادریس الخولانی ان کی کنیت تھی۔ فرماتے ہیں میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا، دیکھا کہ وہاں ایک نوجوان بیٹھا ہے، جس کے سامنے کے دانتوں میں سے نور کی کرنیں نکل رہی ہیں یعنی اس کا معنی ہے، کثیر تبسم، خوش ذوق، اور خوش طبعی کی حالت میں وہ نوجوان بیٹھا ہے، اور اس کے ارد گرد بڑے بڑے بزرگوں کا، لوگوں کا ایک حلقہ ہے اور وہ سب لوگ، جب گفتگو میں کوئی اختلاف ہوتا ہے، تو وہ اُس نوجوان کی جانب رخ کرتے ہیں۔

اب صحابہ میں اس کی مثال دیکھیں، بعض واقعات کو ہم سرسری سُن جاتے ہیں لیکن اگر اس پس منظر میں سنیں تو صحیح سمجھ آتا ہے اور پھر ہمارے عمل کی جو گنجائش ہے وہ ہمیں نظر آتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، آپ کے بیٹے عبدالرحمن بن ابی بکر، بدر میں کافروں کی طرف سے آئے، جب اسلام قبول کر لیا، تو اپنے والد سے عرض کی ابا جان! بدر میں آپ میری تلوار کی زد میں تھے، لیکن میں نے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو میری تلوار کی زد میں آجاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔

یعنی کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں باپ ہونے کے ناطے میں تجھے چھوڑ دیتا تو میں اُس محبت کی نفی کر دیتا جو مجھے اللہ اور اُس کے رسول سے ہے۔

حضرات صحابہ کے ساتھ زندگی میں کئی بار اس طرح کے واقعات پیش آئے، لیکن اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جس محبت کا دعویٰ کیا تھا، وہ ہر چیز سے بڑھ کر پیش نظر رہا۔

محبت آزمائش چاہتی ہے، اس کے بغیر محبت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھ لیں، انھیں جو مقام خلت ملا ہے اور اس محبت میں انھیں جو آزمائشیں آئی وہ بھی دیکھ لیں، جس ادا کو اللہ نے سنت ابراہیمی بنا دیا۔ محبت کو آزمائش کی بھٹی میں پگھلایا جاتا ہے، اُس کے بعد پھر اس کی سند ملتی ہے، ورنہ یہ قصہ کہانی ہو جاتی ہے۔ کہنے کہلانے کی باتیں ہو جاتی ہیں، سُن لیا ماشاء اللہ، سبحان اللہ کہہ دیا لیکن مومن کا آزمائش کے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمان

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بارے میں امام ابن عربی نے لکھا ہے: بہت ہی سخی تھے، فتیاض تھے، اور مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، ایک دن آپ کے دسترخوان پر ایک مجوسی آگیا، بوڑھا تھا، اسی سال سے زیادہ عمر تھی، سفید ریش تھا، آپ نے کھانا اُس کے سامنے لگا دیا اور فرمایا پڑھ میرے رب کے نام سے، اور شروع کر، اُس نے کہا میں تو آپ کے رب کا نام نہیں لیتا، اب یہ بھی ایک جذبہ محبت تھا کہ میرے رب کا تو نام نہیں لیتا تو جا پھر میں تجھے کھانا کیوں کھلاؤں، میرا تیرے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اُس نے کہا، نام لینا تو کیا میں تو آپ کے رب کو مانتا ہی نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ پہلے میرے رب پر تو ایمان لا پھر کھانا کھا، میں تو کھانا جسے بھی کھلاتا ہوں اُسی کی رضا کے لیے کھلاتا ہوں، اُس نے کہا میں تو نام نہیں لیتا، وہ اُٹھ کر چل پڑا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی: ابراہیم خلیل یہ کتنے سال کا بوڑھا ہے، یہ مجھے نہیں مانتا، اس کے باوجود میں اسے 80 سال سے روزی دے رہا ہوں۔ یعنی تنبیہ فرمائی، ابراہیم علیہ السلام اُس شخص کے پیچھے دوڑے، فرمایا، بھائی آ جاؤ، تم مانو نہ مانو کھانا تو کھا لو، اُس نے کہا، جناب آپ کو ہوا کیا ہے، کس چیز نے آپ کو مجھے واپس بلانے پر مجبور کیا ہے، فرمایا، خدا کے بندے، میرا رب جس کا میں خلیل ہوں وہ تیری خاطر مجھ پر عتاب فرماتا ہے اور مجھے تنبیہ کرتا ہے اور اُسی رب نے جس کا تو نام لینے کو تیار نہیں تھا، اپنے اس خلیل کو تیرے پیچھے بھیجا ہے، اُس نے کہا وہ تو پھر بڑی عظیم ذات ہے، جو اپنے دشمن کی خاطر دوستوں کو تنبیہ کرتا ہے وہی اس لائق ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔ رب تو وہی ہو سکتا ہے جو بے نیاز ہو۔ دوست کی دوستی سے بے نیاز ہو اور دشمن کی دشمنی سے بے نیاز ہو۔ پہلے مجھے اُس کے حلقہ عبودیت میں داخل کرو، پھر مجھے اُس کے نام پر اُس کا رزق کھاؤ۔

ایک اور مسئلہ یہ کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شخص سے محبت کرتا ہو تو اُسے اُس شخص کے سامنے اس کا اظہار کر دینا چاہیے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے ہمیں درس ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عن ابی کریمۃ المقداد ابن معدی کرب رضی اللہ عنہ، عن النبی ﷺ قال: اذا احب الرجل، اخاه فلیخبرہ انه یحبہ۔
حضرت ابو کریمہ مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرتا ہو تو اسے چاہئے کہ اسے بتادے کہ وہ اُس سے محبت کرتا ہے۔

وعن معاذ رضی اللہ عنہ، ان رسول اللہ ﷺ: اخذ بیدہ

۱- ابو داؤد: کتاب الادب، باب اخبار الرجال بحجۃ، سنن ترمذی: کتاب الزہد، باب فی اعلام الحب

وقال: يا معاذ! والله! انى لاحبك ثم اوصيك يا معاذ لا تدعن فى
دبر كل صلوة تقول: اللهم اعنى على ذكرك و شكرك و حسن
عبادتك ۛ

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ہاتھ
پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اے معاذ! میں
تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا ترک نہ کرنا: اے اللہ! میری
مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کرو، تیرا شکر ادا کروں اور تیری عمدہ عبادت کروں۔
اس حدیث کو مسلسل فی الحجہ - محدثین اس کی اجازت دیتے اور لیتے
ہیں۔ مجھے بھی بعض محدثین سے اس کی اجازت ہے۔

مجھے اس حدیث مبارکہ کی اجازت استاذی حضرت علامہ علی احمد سندیلوی رحمۃ
اللہ علیہ (م، ۲۰۱۳ھ) سے ہے اور انھیں اس حدیث مبارکہ کی اجازت سید محمد بن
علوی الممالکی الہمی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اسی طرح اُن کا سلسلہ آگے مشہور و معروف
ہے۔ مسجد نبوی شریف کے اندر مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی۔

وعن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا كان عند النبی ﷺ فمرَّ
رجل به فقال: يا رسول الله! انى لاحب هذا۔ فقال له النبی ﷺ:
اعلمته۔ قال: لا، قال: اعلمه فلحقه فقال: انى احبك فى الله،
فقال: احبك الله الذى احببتنى له ۛ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی وہاں سے گزرا، اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ!

۱- ابوداؤد: ابواب القدرۃ، باب فی الاستغفار، رقم: 1522، الترغیب والترہیب: 450/2

۲- ابوداؤد: کتاب الادب، رقم: 5125

مجھے اس شخص سے محبت ہے۔ فرمایا: کیا تو نے اس کو بتا دیا ہے؟ عرض کی: نہیں، فرمایا: اس کو بتا دو۔ وہ شخص گزرنے والے شخص سے جا ملا اور کہا: میں اللہ کے لیے تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے محبوب رکھے جس طرح تو نے مجھ سے محبت کی۔

گویا یہ قولی اور فعلی سنت ہے۔ یعنی یہ کرنے کا کام ہے جو میں آپ کو بیان کر رہا ہوں۔ یہاں اس بات کا درس دیا جا رہا ہے کہ محبت اظہار چاہتی ہے، محبت اخفاء کا نام نہیں، اسی لیے حدیث پاک میں ہے: اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی نعمت کا اظہار بندے پر ہوتا ہو دیکھے، یہ اللہ کو محبوب ہے۔

ہماری بندگی کے قولی، فعلی، مالی، بدنی جتنے بھی مظاہر ہیں، وہ اصل میں بندہ اپنے رب سے محبت کا اظہار ہی تو کر رہا ہوتا ہے۔

عبادت کے جتنے بھی طریقے ہیں، اُن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں اور حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ بعض لوگ حقوق العباد کو علیحدہ کر کے بیان کرتے ہیں، اسلام میں حقوق العباد وہی ہیں جو اللہ کے لیے ہوں اور جو اللہ کے لیے نہ ہوں وہ کوئی حقوق العباد نہیں ہیں۔

یہ بنیاد ہے کہ وہ عمل عبادت ہے جو اللہ کے لیے کیا گیا ہو، چاہے بندوں کے حقوق کی ادائیگی یا اللہ کی عبادت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) ہو۔ یعنی ہر عمل عبادت اُس وقت بنتا ہے جب کرنے والے نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو۔ ورنہ اُس کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المؤمن مرآة المؤمن

ترجمہ: یعنی مومن، مومن کا آئینہ ہے۔

یعنی تم میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ آئینہ ہمیں ہماری خوبیاں بھی دکھاتا ہے اور ہماری خامیاں بھی بتاتا ہے۔ یعنی مومن کو مومن کے لیے آئینہ فرمایا۔ اور تعلیم یہ دی کہ آئینہ تمہارے عیبوں کو مشتہر نہیں کرتا، آئینہ تمہارے عیبوں کو دیکھنے، جاننے کے باوجود ان کی تشہیر نہیں کرتا بلکہ فرمایا بھائی کو اپنے بھائی میں کوئی عیب نظر آئے تو وہ اُسے دور کر دے۔

مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جو دنیا میں ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت کرنے والے ہیں، جنت میں اللہ جو انھیں مقامات عطا کرے گا وہ ایسے ہوں گے کہ جس طرح زمین پر رہنے والے لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں، جنتی جنت کے فرش پر کھڑے ہو کر اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کو ایسے ہی دیکھا کریں گے، جنتی ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں، فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔

عام ستارے تو آسمان پر سب کو ہی دکھائی دے رہے ہوتے ہیں، لیکن فرمایا کہ یہ وہ ستارے ہوں گے، جب آسمان کے اُفق پر ایک موٹا ستارہ چمک رہا ہوتا ہے، جتنا واضح نمایاں اور شان و شوکت سے وہ نظر آ رہا ہوتا ہے، اُس کے دائیں بائیں ویسا کوئی ستارہ نہیں ہوتا۔ اس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ یہ وہ جذبہ اور کیفیت ہے جس کو بڑا زور دے کر قرآن و سنت میں بیان کیا گیا

اور آپ نے یہ سنا ہوگا صحابہ کرام کی سیرت میں اس کی جھلک نظر آتی ہے، یعنی جنگ کا میدان بھی ہو، جان پر بنی ہوئی ہو، تو وہ آپس میں اللہ کے لیے جو محبت ہے اُسے بھولتے نہیں۔

صحابی کا جنگ میں زخمیوں کو پانی پلانا

ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلا رہا تھا تو آواز آئی پانی۔ کہتے ہیں میں پانی لے کر دوڑا، اُس زخمی کے لبوں کو لگایا، تو ایک اور آواز آئی: پانی، تو اُس صحابی نے کہا، یہ دوسری آواز والے بھائی کو پہلے پلا دو، میں دوڑا دوڑا اگلے صاحب کے پاس گیا، اُن کے لبوں کے قریب گیا، تو ایک اور آواز آئی، پانی، تو اُن صحابی نے بھی کہا کہ پہلے اس آواز دینے والے کو پلا دو، وہ پانی پلانے والے صحابی کہتے ہیں کہ میں اس طرح سے سات مختلف لوگوں کے پاس گیا، اور جب ساتویں شخص کے قریب گیا تو وہ جام شہادت نوش کر چکے تھے، لوٹ کر پچھلے کے پاس آئے تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے، اسی طرح وہ واپس جس جس کے پاس آئے سب جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

صحابہ کے اندر یہ کیفیات عملاً پائی جاتی تھی۔ صحابہ کے بعد تابعین میں اور اُن کے بعد تبع تابعین میں، اولیاء کرام میں یہ کیفیات منتقل ہوتی رہی۔ امام قشیری نے لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف بہت ظالم شخص تھا، اُس کے بارے میں کہتے ہیں، شکایت آئی کہ یہ جو صوفیہ ہیں یہ کوئی سازش کر رہے ہیں، ان کا نوٹس لیا جائے، اُس نے سپاہی بھیجے اور ان لوگوں کو اپنے دربار میں بلوایا اور انہیں کہا کہ تمہارے خلاف یہ شکایت آئی ہے، صوفیہ کرام جو اللہ کی خاطر وقف ہو چکے تھے، اُن کے مفادات اور ترجیحات ہی بدل چکی تھی، انہوں نے کہا جو بھی الزامات ہم پر ہیں اگر آپ ٹھیک سمجھتے ہیں اگر

ثابت ہوتا ہے تو ہمیں سزا دے دیں، حجاج بن یوسف نے کہا یہ تو بالکل خاموش ہیں اور اپنی کوئی صفائی نہیں پیش کر رہے، نہ بچنے کے لیے کوئی عذر پیش کر رہے ہیں، اس کا مطلب ہے ان پر جو الزام لگا ہے وہ ٹھیک ہے۔ جلاؤ کو کہا کہ ان کی گردنیں اڑادو۔ وہ تین لوگ تھے، جب جلاؤ ان کی طرف بڑھا اور انھیں پکڑ کر لٹانے لگا تو وہ تینوں ایک دوسرے کو دھکا دے کر آگے ہونے لگے کہ پہلے مجھے سزا دو، حجاج بن یوسف نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے، کیا تمہیں پتا نہیں کہ تم موت کی طرف جا رہے ہو، انھوں نے کہا جی ہمیں پتہ ہے، لیکن ہمیں جو سبق دیا گیا ہے اُس کی پہلی شق ہی یہ ہے کہ اگر تمہارا سانس چل رہا ہو اور تمہارے بھائی کی گردن کٹ گئی تو سمجھو تم نے ساری عمر ضائع کر دی۔

حجاج بن یوسف نے اُن سب کو دوبارہ دربار میں بلوا کر کھڑا کیا اور کہا کہ جس نے بھی ان کے خلاف شکایت کی ہے وہ بالکل غلط کہتا ہے۔ ان کا طرز عمل بتا رہا ہے، ایک دوسرے کا اتنا احساس کرنے والا شخص اور موت سے محبت کرنے والا شخص کبھی سازشی نہیں ہو سکتا۔ سپاہیوں سے کہا ان کو جہاں سے لائے ہو وہیں واپس چھوڑ آؤ۔

ایک بہت اہم بات میں بیان کر رہا ہوں اسے نوٹ کر لیں۔ وہ یہ ہے کہ علماء کرام نے اقوال محفوظ کیے اور صوفیاء کرام نے احوال محفوظ کیے ہیں۔ قرآن، حدیث، اور فقہ کو علماء نے محفوظ کیا ہے اور صوفیہ کرام نے احوال محفوظ کیے ہیں۔ احوال کو محفوظ کرنا بہت بڑا کمال ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے احوال کو محفوظ کر لے، یہ بہت بڑا کام ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے، جس کو امام مالک نے مؤطا میں، امام احمد ابن حنبل نے مُسند میں، امام ترمذی نے اپنی

کتاب الجامع میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، یعنی یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ بخاری و مسلم دونوں جس حدیث کی صحت پر اتفاق کرتے ہوں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو امام مسلم نے کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبرئیل علیہ السلام فقال: انی احب فلانا فاحبه قال فیحبه جبرئیل ثم ینادی فی السماء فيقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء قال ثم یوضع له القبول فی الارض و اذا ابغض اللہ عبدا دعا جبرئیل فيقول انی ابغض فلانا فابغضه قال فیبغضه جبرئیل ثم ینادی فی اهل السماء ان اللہ یبغض فلانا فابغضوه قال فیبغضونه ثم یتوضع له البغضاء فی الارض ۱

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ رب العزت کسی بندے سے محبت کرتا ہے یعنی اُس شخص کے اللہ تعالیٰ کی توجہ کے دائرے میں داخل ہوتے ہی، اُس کی دوستی شرف حاصل کرتے ہی، اُس کو یہ اعزاز ملتا ہے کہ سید الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ بلا تے ہیں، اور پھر جبریل امین کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو اللہ نے اپنا محبوب بنا لیا ہے، فلاں شخص سے اللہ محبت رکھتا ہے، اے جبریل! تم بھی اُس سے محبت رکھو۔ اب اس میں ایک تعلیم یہ بھی دی جا رہی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھے، اللہ کی ساری مخلوق پر لازم ہے کہ وہ بھی اُسے دوست رکھے، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹکرا جائے گا۔

۱- صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب اذا احب عبد امر جبرئیل: 331/2

یعنی ایسا نہ ہو کہ اللہ تو ایک شخص سے محبت رکھتا ہو لیکن اللہ کی مخلوق، یہاں میں اللہ کی مخلوق کا لفظ اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ اللہ کی مخلوق میں فرشتے، جنات، انسان، حیوان سب شامل ہیں بلکہ اس میں نباتات اور جمادات بھی شامل ہیں۔ مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اُسے دوست رکھے، یہ بندگی کا تقاضا ہے۔

اس لیے مخلوقات میں سے جو باعتبار جنس سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، فرشتے جو نوری ہیں، اُن کے سردار کو طلب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بندے کو دوست بنایا ہے، اس لیے اے جبریل اب تم بھی اُس سے محبت رکھو اور پھر جبریل امین اس محبت کو اپنے اندر سمونے کے بعد، اسے اس بات پر بھی مامور کیا جاتا ہے کہ اہل السماء میں یہ منادی کروادو کہ فلاں ابن فلاں جو زمین پر رہتا ہے اللہ اُس سے محبت رکھتا ہے، تمام آسمان والے بھی اللہ کے اس بندے کو محبوب رکھیں۔

اب تمام ملائکہ آسمانوں میں اس کی محبت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ یہ بندہ محبوبیت کے منصب پر فائز ہو گیا ہے۔ اللہ کا دوست بن گیا ہے۔ تو اے نوری مخلوق اللہ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے تو تم بھی اُس سے محبت رکھو۔ تمام اہل آسمان کو حکم دیا جاتا ہے۔ ساتوں آسمانوں پر کوئی ایک بالشت ایسی نہیں، جہاں پر اللہ کا فرشتہ عبادت میں مشغول نہ ہو۔ تو تمام اہل سماع اُس بندے کو محبوب بنا لیتے ہیں۔

صحیح بخاری کے متن میں ہے کہ زمین میں بھی اللہ کے اُس دوست کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے، لوگوں کے دلوں میں اُس شخص کی محبت ڈال دی جاتی ہے اللہ کے لیے۔ لوگ اُس سے محبت رکھتے ہیں، اُس شخص کی طرف کشش محسوس کرتے ہیں۔ صحیح مسلم کے اندر اس کا اگلا حصہ ہے جو ویسے تو اسی متن کے اندر موجود ہے۔ جس طرح محبت کے اعلانات ہوتے ہیں، اسی طرح بُغض کے بھی اعلانات ہوتے ہیں، وہ شخص جس سے اللہ تعالیٰ بُغض رکھے، اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں میں جب

کسی شخص کا شمار ہوتا ہے۔ یہ جو ہمیں دعا سکھائی گئی:

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٤﴾ (الفاتحہ: 7)

ترجمہ: نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

جب اللہ کسی شخص سے بُغض رکھتا ہے تو پھر بھی یہی کیفیت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ جبریل کو طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے بُغض رکھتا ہوں، اس لیے تم بھی اس سے نفرت کرو۔ جبریل امین بھی اُس شخص سے بُغض رکھتے ہیں اور پھر آسمان میں منادی کی جاتی ہے کہ اللہ فلاں شخص سے بُغض رکھتا ہے، اس لیے اے اہل آسمان! تم سب بھی اُس شخص سے بُغض رکھو۔ وہ سب اُس سے بُغض رکھتے ہیں اور پھر زمین کے اندر بھی اُس کے لیے بُغض رکھ دیا جاتا ہے، اہل زمین اُس سے نفرت کرتے ہیں اور اُس سے کراہت محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ بھی لوگوں کو پرکھنے اور اُن کے احوال کا جائزہ لینے کا ایک معیار ہے۔

ترمذی شریف میں جو اس حدیث شریف کا متن آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حدیث بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ قرآن پاک کی ایک آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ
وُدًّا ﴿٩٦﴾ (مریم: 96)

ترجمہ: بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمن محبت کر دے گا۔

اسی سے اللہ کی ایک صفت ”ودود“ بھی واضح ہوتی ہے، یہ بھی محبت کی ایک کیفیت اور ایک پہلو ہے اور مہجر کا بڑا کمال پہلو ہے۔ تو فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں، ایمان کے ذریعے اور اعمال صالحہ کے ذریعے۔

ان اولیاءہ الا المتقون

ترجمہ: سوائے متقین کے اُس کے اولیاء کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ

أَمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ (یونس: 62,63)

ترجمہ: سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے

اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو دوست رکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے اپنے بندوں

کے دلوں میں بھی ایک محبت ڈال دیتا ہے، شفقت پیدا کر دیتا ہے، نرمی پیدا کر دیتا ہے

اور کشش پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اب درجہ بہ درجہ ہے، جس کے اندر جس طرح کی کشش

اللہ کے دوستوں کے لیے پائی جائے اور یہ بھی اللہ کی دوستی کے حصول کا نسخہ کیمیا

ہے۔ اُس نے تو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے، تقویٰ و طہارت کے ذریعے اور دن

رات خشیت و زہد کو اپنا کر یہ منصب پایا ہوگا۔ ہماری شریعت نے یہ اصول بتا دیا کہ

اگر کوئی اس راستے سے نہ جاسکے اور اُس میں یہ صلاحیت نہ ہو تو وہ یہ نسخہ اپنائے۔

البرء مع من احب لہ

ترجمہ: آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ!

اُس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو کسی گروہ سے محبت رکھتے ہوں لیکن اُن

سے ملا بھی نہیں، اُن کا زمانہ بھی نہیں پایا، تو حضور نے فرمایا: یاد رکھو کہ وہ شخص قیامت

کے دن اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱- صحیح بخاری: کتاب الادب، باب، علامۃ الحب فی اللہ: 911/2

من أحب قوماً فهو منهم

ترجمہ: جو جس قوم سے (محبت) رکھے گا، وہ انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔
اب محبت کیا ہے؟ اس لفظ کو ایک ایسی اہمیت حاصل ہے جو دوسرے الفاظ کو حاصل نہیں، اکثر الفاظ کے معنی بدل جاتے ہیں جب انہیں کسی اور زبان میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن عربی کا یہ لفظ اکثر زبانوں میں انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا پسند کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بھی، بندوں کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ (المائدہ: 54) فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے برے اعمال سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا، جن کے اندر یہ صفت ہوگی کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔
اللہ کی یہ بھی صفت آئی ہے قرآن میں:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ (البقرہ: 222)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا اور ستھروں کو پسند کرتا ہے۔
یہ سب اللہ کی دوستی کے ذرائع ہیں، ان میں سے کسی بھی طریقہ سے اللہ کی دوستی حاصل کی جاسکتی ہے۔ سب سے بڑا جو پیمانہ ہمیں بتایا وہ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي (ال عمران: 31)

ترجمہ: اے حبیب ﷺ فرمادو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔
یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے مشروط کر دیا۔ کہ اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے نبی کی اتباع کرو۔
یہاں تھوڑا سا فرق یہ بتایا کہ پہلے تو تم اس کوشش میں تھے کہ اللہ تمہیں اپنے محبوبین میں ہی شامل کر لے تو بڑی بات ہے لیکن اگر میرے محبوب کی اتباع کرتے ہوئے آؤ گے تو کیفیت یہ ہوگی کہ پہلے تم اللہ کی محبت ڈھونڈ رہے تھے، پھر اللہ تمہیں

محبوب بنا لے گا۔ پھر اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔

مولانا حسن رضا بریلوی نے اس ترجمہ یوں کیا:

اللہ کا محبوب بنے جو تمہیں چاہے

اُس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی یہ مختلف جہتیں ہیں اور اس میں جو آسان ترین چیز ہے

وہ یہ ہے کہ اُن لوگوں سے محبت کرو جو اللہ سے محبت کرتے ہیں یا اللہ جن سے محبت رکھتا

ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

البرء علی دین خلیلہ ۱

ترجمہ: بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

اس میں بھی دو پہلو ہیں۔ اگر اُس کا دوست صاحب ایمان ہے، صاحب حال

ہے، تو یہ جو بھی ہے یہ قیامت کے دن اُس کے دین پر اُٹھے گا۔ یہ وہ فلسفہ ہے۔

البرء مع من احب

اہل عرفان کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہے، صوفیہ کرام کہتے ہیں

کہ ہمارا محبوب حقیقی تو بس ایک ہی ہے اور وہ وحدہ لا شریک ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ

اللہ کا ہر عارف اور اللہ کا ہر کامل ولی قیامت کے دن اللہ کے ساتھ ہوگا۔

امام قشیری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو سعید خراز علیہ الرحمہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے معذرت کرتا ہوں کہ مجھے

اللہ کی محبت سے ابھی فرصت ہی نہیں ہے کہ میں آپ سے محبت کر سکوں۔ تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو سعید خراز! کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ کی اور میری محبت میں

کوئی فرق نہیں ہے؟ اللہ کی محبت میری ہی محبت ہے اور میری محبت اللہ کی محبت ہے۔

اسی طرح سیدہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا، ان کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ساتھ تعلق کا راستہ کھلا ہونا میں سمجھتا ہوں بہت بڑی بات ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اس دنیا میں رہتے ہوئے یہ کام کر سکتا ہے۔ کیونکہ "لا رهبانۃ فی الاسلام" اسلام میں رهبانیت نہیں ہے۔ اسلام جنگلوں میں، بیابانوں میں اور ویرانوں میں جا کر عبادت کرنے کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام نے جو راستہ دیا ہے وہ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اللہ کے قرب اور اللہ کی محبت کا جو سب سے محفوظ راستہ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے محبت کے باب میں محبت کے بہت سارے معنی لکھے ہیں جن کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے: کہتے ہیں کہ محبت ایک ایسے شفاف تعلق کا نام ہے، جس میں کوئی دراڑ نہ ہو، جس میں کسی قسم کا غبار نہ ہو۔ جس میں کوئی غیر نہ ہو۔ یہ جو کلمہ طیبہ میں ہے:

لا الہ الا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی نفی۔

یعنی جس شخص کو اس کلمہ کی حقیقت تک رسائی ہوگی اور وہ اپنے اس عقیدے میں مخلص ہوگا، اُس کے اندر یہ وصف لامحالہ پایا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی اور کو کسی بھی حال میں ترجیح نہیں دے گا۔ یہ ہے محبت کا حقیقی معنی۔ اس کیفیت کو اگر کوئی بندہ اپنے دل کے اندر جاننا چاہے، پرکھنا چاہے تو یہ لفظ "حُب" جو ہے یہ "حَبَّة" سے ہے۔ جس کے معنی ہیں "بیج"۔ جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ تو مومن کے دل کے اندر جب اللہ کی محبت کا بیج بویا جاتا ہے تو اُس میں جو پھل لگتا ہے وہ توحید ہے، اللہ کی وحدانیت۔ اور غیر اللہ کی نفی۔

"لا الہ الا اللہ" کی حقیقت تک رسائی کا یہ ایک راستہ ہے اور یہ اُس کے

ثمرات ہیں، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی جس شخص نے ”لا الہ الا اللہ“ صدق دل سے پڑھا ہوگا، وہ اس کیفیت کو جان لے گا۔ یہ اُس کا حال ہوگا۔ ایک بات میں اور عرض کر دوں کہ شرک کی جتنی بھی اقسام ہیں، اُن میں سب سے بدترین قسم ”اللہ کی محبت میں کسی کو شریک کرنا“ ہے۔ کیونکہ یہ غیرت الہیہ کہ خلاف ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گوارا نہیں کرتا۔ باقی سب شرک ظاہری اقسام ہیں جیسے کسی کو سجدہ کر دیا، ان سے بھی ظاہر ہے ایمان چلا جاتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی توجہ بندے کے دل پر رہتی ہے، دل کا حال کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله لا ينظر الى صوركم ولكن ينظر الى قلوبكم

ترجمہ: بے شک اللہ تمہاری شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا

ہے۔

اللہ تمہارے ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے، دل کی کیفیت کیا ہے، ظاہر باطن کے تابع ہے اور جسم دل کے تابع ہے۔ دل اس سلطنت کا بادشاہ ہے۔ اگر بادشاہ ہی غیروں سے ملا ہوا ہو تو پورے ملک کا کیا بنے گا۔ سلطنت تو لامحالہ بادشاہ کے تابع ہے۔ جب اس نے دشمن کے ساتھ تعاون کیا ہوگا، شیطان اور نفس کے ساتھ ملا ہوا ہوگا تو پھر ظاہر ہے اُس سلطنت میں شیطان کا حکم چل رہا ہوگا، رحمن کا نہیں۔ ایسا شخص جتنے بھی نیک اعمال کر رہا ہوگا وہ سب ناقص ہوں گے۔ اُن میں غیر اللہ کی آمیزش ہوگی۔

”لا الہ الا اللہ“ کا معنی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی

مطلوب نہیں، اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں، اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ یہ اس کلمہ طیبہ کی مکمل شرح ہے۔

اگر ان چار شرائط پر پورا اترتا ہے تو اُس کا دعویٰ خالص ہے اور اگر اُس کا مطلوب کچھ اور ہے اور مقصود کچھ اور ہے تو پھر یہ محض ایک الفاظ کا مجموعہ ہے، جو وہ اپنی تسلی کے لیے زبان سے دہراتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت سے محروم ہے۔

اولیائے کرام اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی محبت کا ذائقہ چکھا ہے، اللہ کی بارگاہ کے سچے طالب ہیں، صحیح بخاری کے کتاب الرقاق میں ہے، یہ روایت ایسی ہے جس کو ایک صحابی نے صحابی سے روایت کیا۔ ایک حضرت انس ابن مالک اور دوسرے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، فرمایا: جو شخص اللہ کی ملاقات کا شوقین ہے اور اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے، اللہ بھی اُس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا، اللہ بھی اُس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ یا امہات المؤمنین میں سے کسی نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس سے مراد موت ہے، کیونکہ موت ایک ایسی چیز ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا، یہ ہماری فطرت ہے، اگر یہ مراد ہے تو پھر تو ہم سب ہی اس میں شامل ہیں، فرمایا: اس کا مطلب موت نہیں ہے۔ فرمایا: جس وقت مومن کی موت کا وقت آتا ہے، اُس کو اللہ کی طرف سے رضا کی بشارتیں دی جاتی ہیں، تو جس وقت تو پھر اُس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ سوائے موت کے اُسے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی کہ وہ فوراً اس موت کے پُل کو پار کر کے اپنے محبوب سے جا کر واصل ہو جائے۔ اہل عرفان کہتے ہیں: ”الموت جسر یوصل الحبيب الی الحبيب“ موت اُس

پل کا نام ہے جس کو پار کر کے محب اپنے محبوب سے جا ملتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے:

الموت تحفة المؤمن لـ

ترجمہ: مومن کے لیے تو موت انعام ہے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا جب وصال کا وقت آیا تو اُن کی اہلیہ بیٹھ کر رونے لگی اور آپہں بھرنے لگی وا حسرتا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: وا طربا، فرمایا یہ حسرت کا مقام نہیں، یہ تو خوشی کا مقام ہے، یہ تو راحت اور بشارت کا لمحہ ہے کہ غلام جا کر اپنے مالک سے ملے گا، یہ موت تو حضوری کا پیغام ہے۔ یہ بشارتیں جب اُس کو ملتی ہیں تو وہ اللہ کی محبت کا اور اللہ سے ملاقات کا اور زیادہ مشتاق ہو جاتا ہے۔ اُس کا تجسس اور شدت طلب اور بڑھ جاتی ہے اور پھر اللہ بھی اپنے اُس پیارے بندے سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اُسے اللہ کے عذاب اور سزا کی خبریں دی جاتی ہیں اور اُس شخص کے لیے موت سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ چیز کوئی نہیں ہوتی، وہ کافر اللہ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا اور مرنا نہیں چاہتا اور اللہ بھی اُس کافر اور نافرمان سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا۔

یہ خالق کائنات کی طرف سے محبوبیت کی علامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر ہی بندوں کے لیے واضح فرمادیں۔ یہ کیفیات روزمرہ کی زندگی میں بھی ہمارے مشاہدہ میں بھی آتی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، حج کا موقع تھا، حج کا موقع ایسا ہوتا ہے جب ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے، منیٰ میں اور مزدلفہ میں اُس موسم میں آپ گزر رہے تھے اور جس جس کی نظر اُن پر پڑتی وہ اُن کی زیارت کے لیے اور اُن کی

دست بوسی کے لیے اُن کے گرد جمع ہو رہے تھے، وہاں کچھ تابعین بزرگ بیٹھے تھے، اُنھوں نے جب یہ منظر دیکھا تو یہ حدیث جو ہمارا آج کا موضوع ہے، اس کو بیان کیا۔ فرمایا دیکھو، یہ عمر بن عبدالعزیز ہیں وہ بولے ہاں یہ عمر بن عبدالعزیز ہیں تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا دوست بنایا تو اپنے بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دی، لوگوں میں اُن کے لیے اتنی کشش پیدا کر دی کہ حج کے موقع پر بھی جب لوگ احرام میں ہوتے اور ارکان حج کی ادائیگی کی فکر میں ہوتے ہیں ”اللہم لیک، اللہم لیک“ کی کیفیت میں ہوتے ہیں لیکن اللہ کے دوست میں اتنی کشش ہے کہ اُن کی طرف کھینچتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اسی طرح کی ایک کیفیت حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں بیان کی ہے:

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا حجر اسود کو بوسہ دینا

حرم شریف میں لوگ حجر اسود کو بوسہ دے رہے ہیں اور خلیفہ وقت (ہشام بن عبدالملک) بڑی شان و شوکت اور کرفر سے اپنے درباری، وزراء اور مشیروں کے ساتھ حرم میں موجود تھا اور انتظار کر رہے ہیں کہ لوگوں کا ہجوم جگہ دے اور ہم بھی حجر اسود کو بوسہ دیں۔ اتنے میں ایک نوجوان، نورانی پیکر حرم میں داخل ہوئے تو جتنے لوگ حجر اسود پر بوسہ لینے کے لیے ٹوٹے جا رہے تھے وہ سب حجر اسود کو چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہو گئے، کوئی جا کر اُن کے ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی اُن کے کندھوں پر بوسہ دے رہا ہے اور اُن کے گرد ایک ہجوم بن گیا، وہ اُن لوگوں میں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے، لوگوں نے اُن کو راستہ دیا اور اُنھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ تو لوگوں نے ہشام بن عبدالملک سے کہا کہ آپ خلیفہ وقت ہیں لیکن کسی نے آپ کو راستہ نہیں دیا، کوئی آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا، یہ شخص پتہ نہیں کون ہے کہ تمام لوگ اس سادہ

سے آدمی کی طرف کھینچے چلے جا رہے ہیں تو ہشام بن مالک باوجود جاننے کے، اپنے درباریوں کے سامنے شرمندگی سے بچنے کے لیے جان بوجھ کر انجان بن گیا، وہاں ہشام کا درباری شاعر فرزدق کھڑا تھا، وہ خلیفہ کے قصیدے پڑھنے والا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار کے ساتھ اُسے قلبی عقیدت و ارادت تھی، اُس نے کہا خلیفہ میں بتاؤں یہ کون ہے، اُس نے اشعار میں حضرت امام زین العابدین کی شان میں ایک پورا قصیدہ بیان کیا اور بتایا کہ ساری دنیا حرم کی حرمت کی پاسداری کرتی ہے لیکن حرم اس شخص کی حرمت کی پاسداری کرتا ہے اور بطحا کی وادی میں اس سے زیادہ محترم اور معزز شخص کوئی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا نانا امام الانبیاء ہیں اور اس کا باپ شیر خدا ہے اور اس کی دادی جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ اس کا نام علی بن حسین بن علی ہے جسے لوگ عابدوں کی زینت کہتے ہیں۔ اپنی عقیدت و جذبات کا اظہار کیا اور بتایا کہ اللہ نے یہ عزت اور مقبولیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار کو عطا فرمائی ہے۔

امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فضیل ابن عیاض علیہ الرحمہ کی عیادت کو اولیائے کرام گئے، اُن کو جس بول کی شکایت ہوگئی، پیشاب بند ہو گیا، اولیائے کرام اُن کی عیادت کے لیے گئے کیونکہ وہ اپنے زمانہ کے اولیاء کے امام تھے، آپ کہتے ہیں کہ ہم ابھی خبر گیری کر کے اُٹھے ہی تھے۔ کہ حضرت فضیل ابن عیاض علیہ الرحمہ نے دعا کی۔ اے اللہ! تجھے اُس محبت کی قسم جو مجھے تجھ سے ہے، میری اس تکلیف کو دور کر دے۔ اولیائے کرام کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فوراً اُن کی تکلیف کو رفع فرما دیا، اولیائے کرام کو اپنی محبت اور اللہ سے تعلق پر اتنا اعتماد تھا کہ اسے موقع پر وہ اپنے اُس اعتماد کو اپنے رب کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ پیش کیا کرتے تھے۔ یہ رسوخ اُسی شخص کو عطا ہو سکتا ہے، جسے پتہ ہو کہ میں نے اپنے تعلق

میں کبھی خیانت نہیں کی۔

آخری حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے اس کو روایت کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کلام کیا کرتے تھے، دوران کلام عرض کرتے ہیں: کہ اے اللہ! تیرے سب بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بندے کون سے ہیں، فرمایا، کثرت سے میرا ذکر کرنے والے، وہ میرے محبوب ہیں۔ **فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ** (البقرہ: 152) جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ کیفیت جنہیں نصیب ہے۔ جو میرے بندوں میں زیادہ میرا ذکر کرتے ہیں وہ میرے زیادہ پیارے ہیں، فرمایا: اے اللہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ غنی لوگ کون ہیں فرمایا: جو میرے عطا کیے ہوئے پر راضی رہتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ اے اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ دانشمند لوگ کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو اپنی ذات پر بھی وہی حکم لگاتے ہیں جو لوگوں پر لگاتے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو ان تقاضوں سے مستثنا نہیں رکھتے۔ اللہ کی بندوں سے محبت اور بندوں کی اللہ سے محبت، یہ اصل میں سارے ایمان کا لب لباب ہے جتنی بھی ہم عبادات اور نیک اعمال کرتے ہیں، اُن کا مقصد یہ ہے کہ بندے کا رب سے ایک تعلق قائم ہو جائے اور وہ تعلق محبت کا ہو۔ مولانا رومی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

عشق آن شعلہ است کوچوں بر فروخت

ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑک اٹھتا ہے تو سوائے محبوب کہ ہر چیز کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ اُس کے بعد پھر کسی چیز کا حقیقی وجود باقی نہیں رہتا اور اس وجود کو برقرار رکھنے کا مقام قلب ہے۔ ”لا الہ الا اللہ“ اس کا انتہائی جامع خلاصہ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَلِ

وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ (الرحمن: 26, 27)

ترجمہ: جتنے زمین پر ہیں سب کو فنا ہے اور باقی تمہارے رب کی ذات عظمت و

بزرگی والی ذات ہے۔

ابدی، دائمی اور سرمدی صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ ذات باری تعالیٰ سے تعلق بھی لافانی ہے۔ یہ تعلق جب قائم ہوتا ہے اور بندہ اس کو حقیقی معنوں میں چکھ لیتا ہے، پھر اُس کی زندگی کے معاملات بھی بدل جاتے ہیں، اُس کی عبادات کی کیفیات میں بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اُس کے اندر سے سرد ہو جاتی ہے اور پھر آخری مرتبہ یہ کہ بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اس نے اُس شخص کو اندر باہر سے جکڑا ہوا ہے، خواہشات نفسانی، مادیت سب ختم ہو جاتی ہے۔

اسی لیے صوفیہ کرام یہ بات بیان کرتے ہیں کہ یہ جسم چونکہ مادی ہے، اسی لیے اس کا وطن (یعنی دنیا) بھی مادی ہے، انسان کی روح کا وطن یہ دنیا نہیں ہے، کیونکہ روح عالم ارواح سے تعلق رکھتی ہے، اس کا وطن اصلی وہ ہے، اسی لیے جب کسی شخص کو موت آتی ہے تو اُس کا جسم زمین میں دفن ہوتا ہے لیکن روح اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اسی لیے پڑھتے ہیں:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ (البقرہ: 156)

ترجمہ: بے شک اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

تعلق باللہ کا جو ذریعہ ہے وہ بھی روح ہے۔ قلب، روح اور نفس، جو اپنے رب سے تعلق جوڑتے ہیں اور اللہ کی طرف سے جو کچھ آتا ہے وہ انہوں نے ہی وصول کرنا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کے اندر حیات ہو، ان کے حواس کام کر رہے ہوں، تب یہ جا کر ان انوار اور تجلیات کو جو اللہ کی طرف سے مومن کے لیے اترتے

ہیں، وصول کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ ورنہ وہ پیدا بھی ہو جائیں تو یہ اُن سے محروم ہے اگر ان میں حیات نہیں ہے۔ تو عبادات کے ثمرات سے یہ عملاً محروم رہتا ہے، ثواب تو ہر حال میں درج ہو جائے گا، لیکن جو اُس کے فوری ثمرات تھے۔ یہ اُن سے محروم رہ جاتا ہے۔ باوجود طالب ہونے کے، چہ جائیکہ وہ شخص جسے اس تعلق کی خبر ہی نہ ہو تو وہ بڑا بد نصیب ہے۔

جیسے یرکان کا مریض ہے وہ پراٹھا نہیں کھا سکتا، کھا بھی لے تو اُس کا جسم اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح یہ بھی ایک باطنی بیماری ہے۔ ایک رسمی محبت ہوتی ہے، یا محبت کا دعویٰ۔ وہ بھی بطور مسلمان مطلوب ہے۔ لیکن محبت کی جو حقیقت ہے۔

حضرت میاں شیر محمد شرقی پوری علیہ الرحمہ کا فرمان

حضرت میاں شیر محمد شرقی پوری علیہ الرحمہ کے حوالے سے میں اکثر یہ مثال دیا کرتا ہوں۔

کسی شخص نے اُن سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے کہا، تو آپ نے فرمایا: ”اپنے رب نوں اپنے توں بہتر سمجھیا کر“۔ وہ بڑا حیران ہوا اور دست بستہ عرض کیا: حضور رب تو رب ہے، وہ تو بلاشبہ ہم سے بہتر ہے، ہم رب جیسے کس طرح ہو سکتے ہیں یا سوچ سکتے ہیں، فرمایا: بس یہی میری نصیحت ہے۔ جب وہ شخص سفر میں گیا، راستے میں سفر کے لیے کھانا باندھ لیا، نیچے خشک روٹی اور اوپر گھی رکھ دیا، دیہات میں جس طرح سے رواج ہوتا ہے۔ جس وقت راستہ میں اُنھوں نے وہ کھانا کھولا، تو ایک مسافر راہگیر وہاں سے گزرا اور کہا کہ جی میں بھی مسافر ہوں، اُس شخص نے اُنھیں بھی شامل کر لیا، جو خشک روٹی تھی وہ اُس مسافر کو دے دی اور گھی والا پراٹھا خود کھا لیا،

آنکھ لگی، سوئے تو میاں شیر محمد شر قپوری خواب میں آئے، غصے کی حالت میں، ایک تھپڑ اُن کے مُنہ پر مارا اور فرمایا: جھوٹیا! توں تے کہند اسماں کہ میں رب نوں اپنے توں بہتر سمجھداواں۔ رب نوں سُکی روٹی تے آپ پراٹھا؟

رب کو اپنے بندے سے کوئی چیز نہیں چاہئے۔ رب کی تعریف تو یہ ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾ (آل عمران: 97)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔

نہ کسی بندے کی نیکی، زہد، اور تقویٰ اُس پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی بندے کی نافرمانی، بدکاری اور گناہ اُس پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ یہ سب چیزیں ہمارے ادراک اور فہم کے لیے ہیں تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ اچھا کیا ہے، اور برا کیا ہے۔ ہم اپنے تعلق کو بہتر کر سکیں۔

اصل معاملہ یہ ہے جو ایک صوفی اور درویش نے سمجھایا کہ جو چیز اللہ کے لیے ہے اُس کا تمہیں شعور ہو، اللہ کے لیے جو کرو گے، اللہ کی راہ میں جو خرچ کرو گے، اُسے اللہ سمجھے گا کہ تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے جیسے احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ بندوں سے یہ فرمائے گا کہ میں بیمار ہوا تو تو میری عیادت کے لیے نہیں آیا؟ وہ کہے گا: اے اللہ! تو تو بیمار نہیں ہو سکتا تو اس سے پاک ہے، اللہ فرمائیں گے: فلاں شخص جو بیمار ہوا تھا، وہ میں ہی تھا، اگر تم آجاتے تو مجھے اُس کے پاس پاتے، اصل میں یہ آزمائش گاہ ہے۔

دعوتِ فکر

امام قشیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: کہ جب قیامت کے دن اس کی محبت کے دعویدار آئیں گے تو اللہ اُن سب کو جمع کر کے کہے گا: قیس عامری کو لاؤ، جسے ہم لوگ

مجنوں کہتے ہیں، اسے بطور حجت لایا جائے گا، اے خالق کائنات، اور احکم الحاکمین کی محبت کے دعویدارو، ذرا اپنی محبت کو میرے اس بندے کی محبت کے ساتھ پرکھ کر دیکھو، اس کی محبت کے معیار اور کسوٹی پر تو پیش کرو، کیا تم اس معیار پر بھی پورے اترتے ہو یا نہیں؟

یہ بزرگان دین اور اولیائے کرام جنہیں اللہ نے یہ اعزاز بخشا اور اپنی محبت کے حقائق عطا فرمائے، ان کی اولاد میں بھی یہ رچی ہوئی تھی۔ حضرت فضیل ابن عیاض علیہ الرحمہ اپنے بچے کو اٹھا کر پیار کر رہے تھے، تربیت ایسی کی ہوئی تھی، اور تربیت کے اثرات ایسے تھے، بچے نے کہا: ابا جان! آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ تو کہا کرتے تھے، کہ میں صرف اللہ سے محبت کرتا ہوں، آپ کی محبت میں کوئی فرق آ گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: 28)

ترجمہ: مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔

یعنی مال اولاد اور دنیا، اُس حقیقی محبت کے حصول میں رکاوٹ ہے۔ جو بندے کو اپنے رب کے ساتھ ہونی چاہئے، یہ سب دنیا میں وقتی ذرائع ہیں۔ یہ آزمائشیں اور امتحان ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُسوۂ حسنہ سے یہ ساری آزمائشیں ہمیں طے کر کے دکھا دیں ہیں، کہ کس سے کیا تعلق کس حد تک رکھنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس دنیا میں رہ کر تمام معمولات کو بجالا کر پھر اپنے رب سے تعلق قائم کر کے دکھایا اور اسے اپنی سنت بنایا۔

وَإِذْ كَرِهَ اللَّهُ لِسْمِ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل: 8)

ترجمہ: اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اس کے ہور ہو۔

جسے ہماری زبان میں کہتے ہیں:

ہتھ کارولے، دل یارولے (دست بہ کار دل بہ یار)
یعنی باطنی طور پر اپنے رب سے تعلق قائم ہو اور اُس میں کوئی انقطاع اور خلل

نہ ہو۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (النور: 37)

ترجمہ: اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو تجارت، خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اللہ کی یاد میں ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ دوسرے دنیاوی امور بھی سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ کے ساتھ تعلق کے معاملے میں وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے۔ یہ آخری بات ہے جو میں بیان کر دوں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمين!

والصلوة والسلام على خاتم النبیین وعلى آله وصحبه اجمعین۔

حدیث میں ہے

تین آدمی قابل رحم ہیں: عزت دار جب خوار ہو جائے، امیر جب غریب ہو جائے اور عالم جب جاہلوں میں پھنس جائے۔

مشہور مقولہ ہے

”عالم بننا ہے تو ایک فن منتخب کر لو۔
ادیب بننا ہے تو ہر فن میں سے موتی چنو۔“

قدیم مقولہ ہے

عالم وہی ہے جس میں تین باتیں ہوں:
اپنے سے کم علم کی تحقیر نہ کرے، اپنے سے
بڑے عالم پر حسد نہ کرے، اپنے علم پر اجرت
وصول نہ کرے۔

درس حدیث نمبر: 6

”لا تغضب“
غصہ مت کرو

غصمت کرو

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كَلَامِهِ الْمَجِيدِ

وَالْكُذِبِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٣﴾

(آل عمران: 134)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً قال للنبی ﷺ

أَوْصِنِي: قَالَ لَا تَغْضَبْ، مَرَدَّدًا مِرَارًا، قَالَ لَا تَغْضَبْ ۗ

ترجمہ: ایک شخص آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، مجھے کوئی نصیحت

فرمادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ نہ کرو۔ اس نے پھر کہا حضور مجھے کوئی نصیحت کریں

۱- الترغیب والترہیب: 439/3: بخاری: کتاب الادب، باب الخذر من الغضب: 903/2

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ نہ کر۔

آج کے درس حدیث کا موضوع ہر انسان کی طبیعت اور فطری مزاج سے متعلق ہے، جو ایک ایسی صفت ہے جو بعض صورتوں میں مدح اور بعض صورتوں میں ذم ہے، بعض شکلوں میں یہ پسندیدہ ہے اور بہت ساری صورتوں میں یہی ایک خصلت نا پسندیدہ ہے۔ اور اس حدیث پاک کا جو متن میں نے پڑھا ہے یہ متن معجز نما ہے، اور اپنی عبارت کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ کلام سوائے نبی کے کوئی کر نہیں سکتا، اور یہ حسن اعجاز اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق میں صرف ایک ہی ہستی کو بخشا ہے، جن کا نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے، کہ آپ سے کوئی سوال پوچھا جائے، تو آپ سائل کی ساری ضرورتوں کو صرف ایک لفظ میں پورا فرمادیں، اس کی کوئی مثال نہ کسی نبی کے ہاں ملتی ہے اور نہ کسی غیر نبی کے ہاں ملتی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث مبارکہ کو اپنی صحیح میں، امام ترمذی نے اپنی سنن میں، امام احمد نے اپنی مسند میں، امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں، امام حاکم نے مستدرک میں، امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں امام ابن عبد البر نے اپنی تمہید میں، امام عبدالرؤف المنذری نے الترغیب والترہیب میں روایت اور نقل کیا ہے۔

تین بار تکرار سنت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

ایک شخص آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اَوْصِنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مجھے کوئی نصیحت فرمادیں۔ "قَالَ لَا تَغْضَبْ" فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر کہا: اَوْصِنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حضور مجھے کوئی نصیحت فرمادیں "مَرَدَّدًا مَرَّارًا، قَالَ لَا تَغْضَبْ" فرمایا غصہ نہ کر۔

اب یہ جو فہم کا تفاوت ہے، یہ ہر سائل کا ایک جیسا نہیں ہوتا، وہ اندازہ نہ کر سکا کہ اتنے اختصار کے ساتھ بھی جواب دیا جاسکتا ہے اور وہ بھی مکمل جواب، اسے تسلی نہ ہوئی، اس نے پھر دوہرایا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ اس نے جتنی بار تکرار کی کہ ”اوصنی یا رسول اللہ“ آپ نے اتنی بار فرمایا، ”لَا تَغْضَبْ“ غصہ نہ کر۔ صحابہ کرام یہ سن رہے تھے، اور دیکھ بھی رہے تھے کہ اس شخص کو مکمل جواب دیا جا چکا ہے مگر اس تکرار نے اس میں اور تاکید پیدا کر دی کہ اگر ایک ہی جملے میں کوئی شخص اپنے سارے مسائل کا حل چاہتا ہو تو وہ یہ ہے کہ، وہ غصہ نہ کرے۔ یہ تمام مسائل کا حل بلکہ تمام مسائل انسانی کا حل ہے۔ پھر فصاحت کلام نبوی: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے کہ: ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَيَّ شَيْئًا وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ لَعَلِّي أَعِيهِ قَالَ لَا

تَغْضَبْ ۞

ترجمہ: ایک بدو آیا اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ علیک وسلم مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دو، کسی ایسے عمل کی تعلیم دو، جو بہت لمبا چوڑا نہ ہو، آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ یعنی کہ بیان میں اتنا طویل نہ ہو کہ میں بھول ہی جاؤں، اب یہ سائلین کا ذوق دیکھئے کہ اس بارگاہ میں آنے والے سائل کیسے آتے تھے کیسے ذوق شوق سے، کیا سوچ اور کیا طلب لے کے آتے تھے اور کیسے ان کی طلب حسب طلب پوری ہوتی تھی۔ شرائط کے ساتھ سوال کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو، ایسا نہ ہو، لمبا چوڑا نہ ہو، یعنی انہیں پتہ تھا کہ یہ جو رسول ہے رسولِ یس، ہے اور اس کا دین، دینِ یسر ہے، یہ ہر حال میں ہمیں سہولت دے گا، ہمیں آسانی دے گا، لہذا اسی طرح طلب کرتے تھے کہ کوئی

لمبا چوڑا متن نہ ہو اور کوئی لمبا چوڑا پروگرام بھی نہ ہو، اتنا بھی نہ ہو کہ میں سنتے سنتے پورا یاد نہ رکھ سکوں تو فرمایا ”لَا تَغْضَبْ“ اے سائل غصہ نہ کیا کر۔

مَرَدَّدَ ذَلِكَ مَرَّارًا كُلَّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تَغْضَبْ

ترجمہ: وہ دہراتا رہا اور آپ فرماتے رہے کہ غصہ نہ کر۔

لَا تَغْضَبْ جوامع الکلم میں سے ہے

امام ترمذی کے علاوہ دوسرے ائمہ لکھتے ہیں: کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا۔ خود راوی کہتے ہیں: ”قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ذُلِّي عَلَيَّ عَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَلَا تُكْثِرُ عَلَيَّ قَالَ لَا تَغْضَبْ“ بعض محدثین کے نزدیک یہ ابودردار رضی اللہ عنہ ہیں کہتے ہیں: میں نے عرض کی کہ آقا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور کوئی لمبا چوڑا پروگرام بھی نہ ہو، فرمایا غصہ نہ کیا کر۔

ان صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصراً مگر جامع نصیحت طلب کی۔ ایسی نصیحت جو تمام بھلائیوں کی جامع ہوتا کہ بندہ یاد بھی رکھ سکے اور اس پہ عمل بھی کر سکے اور صحابہ کرام کو یہ خدشہ بھی رہتا تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی چیز براہ راست پوچھ کر طلب کی جائے اور آپ اس کے جواب میں کچھ فرمائیں، تو پھر اس میں سے کسی چیز کا بھول جانا وہ بھی بے ادبی ہے، وہ اس سے بھی ڈرتے تھے۔ ایک ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا از خود کچھ فرما دینا کہ حاضرین و سامعین بیٹھ کر سن رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرما رہے ہیں، اگر سامعین میں سے کوئی اس میں کچھ بھول گیا تو وہاں تو عذر ہے، لیکن اگر کوئی شخص آدمی جب خود سوال کرتا ہے، اپنے لئے ذاتی طور پہ پوچھتا ہے تو اس وقت اس کے پاس جواز نہیں رہتا کہ وہ سن کر بھول جائے۔ یہ وہ خدشہ تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان ہمیشہ کوشش کرتے تھے، کہ جتنی مختصر بات ہو اچھا ہے، تاکہ

اس میں سے ہم کوئی زیر، زبر کی کوتاہی بھی نہ کر بیٹھیں، یہ خوف رہتا تھا کہ لمبی بات کے دوران کہیں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ یہاں ایک چیز ذہن میں آرہی ہے، کہ یہ وہ قوم تھی کہ فطری طور پر ان کی قوت حفظ کا یہ عالم تھا کہ ان کو اپنے سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک شجرہ یاد ہوتا تھا، اور ان کے بچے بچے کو بھی اور ان جیسا حافظہ، نہ ان سے پہلے کبھی انسانوں میں سے کسی کو ملا ہے، اور نہ ان کے بعد قیامت تک کسی کو ملنے کا امکان ہے۔ اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذوق سمجھیے کہ جب بھی حدیث روایت کرتے تو پڑھتے تھے "أَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" یہ جملہ محدثین کرام نے اسی بارگاہ سے سیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کبھی کہتے ہی نہیں تھے کہ "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کہتے تھے "سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، یا مجھ تک پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، حالانکہ براہ راست سنا ہوتا تھا۔ کسی نے پوچھا: تو فرمایا کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہو، الفاظ میں اور ہو میں بیان کرنے میں اس کی جگہ کوئی اور لفظ استعمال کر لوں، تو پھر وہ "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" تو نہ ہوا۔ یہ اس درجے کی احتیاط تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث ایسی بھی ہے، کہ جس صحابی نے کوئی حدیث روایت نہیں کی اس نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، یعنی اگر یہ سمجھیں کہ کسی صحابی نے ایک ہی حدیث مروی ہے تو وہ حدیث مبارکہ یہ ہوگی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعِدًّا
فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

۱- بخاری: کتاب العلم، باب اثم من كذب على النبي ﷺ: 21/1

ترجمہ: جس شخص نے میری طرف سے قصداً کوئی ایسی جھوٹی بات بیان کی جو میں نے نہیں کہی تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا۔

آپ میں سے کئی حضرات ایسے ہوں گے کہ جن کے موبائلوں پہ ایسے ایسے ایم۔ ایس۔ آتے ہوں گے کہ، جو مجھے اس مہینے کی خوشخبری سنائے گا میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔“ اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے، اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

یہ حدیث مبارکہ جو میں نے آپ کو سنائی ہے یہ ”حدیث متواترات“ میں سے ہے، جس کا درجہ فنی اعتبار سے قرآن کے برابر ہے۔ حدیث کی اقسام میں جو سب سے اعلیٰ قسم ہے اس کو ”حدیث متواتر“ کہتے ہیں اور اس کو سو سے زیادہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ حدیث کی کوئی بڑی کتاب نہیں جس میں یہ حدیث مبارکہ نہ ہو۔ بلکہ بعض محدثین تو کتاب شروع ہی اس حدیث سے کرتے ہیں تاکہ پتہ چل جائے، کہ کسی حدیث کو بیان کرنے کا معیار اور سٹینڈرڈ کیا ہے، اور محدثین کے نزدیک حرام ہے کہ کوئی شخص یہ کہے ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ اس وقت تک کہ اسے وہ حدیث اپنی سند سے نہ پہنچی ہو۔ حدیث بیان کرنے کے کچھ آداب ہیں، کچھ قاعدے ہیں، کچھ ضابطے ہیں۔ اس سلسلے میں امام مالک رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ مسجد نبوی شریف میں درس حدیث دیا کرتے تھے، آپ کے حلقہء درس میں جم غفیر ہوتا تھا، جس میں محدثین کرام، علماء عظام اور طلباء کی ایک کثیر تعداد ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کسی نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ آپ کوئی مستملی کھڑا کر لیجیے، کوئی سیکنڈ پر کھڑا کر لیجیے جیسے نماز میں سپیکر نہ ہونے کی صورت میں مکتبہ کھڑا کرتے ہیں، تو امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہ مسجد نبوی ہے، یہاں وہی ادب لازم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں لازم تھا، اس لیے کوئی اور جگہ ہو تو مستملی کھڑا کیا جاسکتا ہے، لیکن یہاں نہیں، یہاں اونچی آواز

کرنے کا وہی نقصان آج بھی ہے، جو اس وقت صحابہ کرام علیہم الرضوان میں تھا۔ اسی انداز سے جب حلقہء حدیث ہو، تو وہاں پر مجلس نبوی کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ میں (مؤلف) حدیث کا طالب علم ہوں اور موضوعات فی الحدیث میرا خاص ذوق ہے، میں بڑا عرصہ یہ سمجھتا رہا کہ ”فتنہ وضع حدیث“ دوسری صدی ہجری میں ختم ہو گیا تھا۔ لیکن جب پچھلے دو سال میں مجھے ایسی روایتیں موبائلوں کے ایس۔ ایم۔ ایس کے ذریعے لوگوں سے پوچھیں، تو میں سمجھا کہ فتنہ وضع حدیث تو آج بھی جاری ہے، آج بھی لوگ حدیث گھڑ لیتے ہیں، جیسے ربیع الاول شروع ہوا، تو ایس۔ ایم۔ ایس شروع ہو گئے کہ ”جس نے مجھے ربیع الاول کے چاند کی خوشخبری سنائی“ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتوں کے مضر اثرات سے آپ خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، جس قوم میں یہ فتنہ پھیل رہا ہو اور کوئی بندہ ٹس سے مس نہ ہو، تو پھر انہیں قوموں پر عذاب آتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی قوم نئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ بطور سزا ان میں سے ایک سنت اٹھا لیتا ہے۔

یعنی ان کو سنت کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ بھی عذاب کی صورتیں ہوتی ہیں کہ لوگ غیر دین کو دین سمجھ کر رہے ہوں، ان کے اندر غیر دین کو دین سمجھ کر اپنا لیا جائے اور اسے ثواب سمجھ کر کیا جائے۔

علم حدیث اور اصول حدیث سے متعلق کچھ قواعد اور کچھ چیزیں تھیں جو میں عرض کی ہیں۔

ہم بات کر رہے تھے غصے کی، غصہ انسانی فطرت کا حصہ ہے، یہ انسانی مزاج میں ڈالا گیا ہے۔ انسان کا خمیر چار بنیادی عناصر سے اٹھایا گیا ہے، وہ عناصر اربعہ آگ، ہوا، مٹی اور پانی ہیں۔ غصے کا تعلق آگ سے ہے، چونکہ یہ انسان کے خمیر میں شامل ہے اس لیے اسے غصہ آتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس کو چیلج (Chanalize)

کیا گیا ہے، اس کو ”تہذیب نفس“ کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
(ال عمران: 134)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں وہ غصے کو پیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بزرگ تابعی تھے، وہ بیٹھے تھے، ان کی ایک خادمہ نے ایک بھنہ ہوا بڑا سا گوشت کا ٹکڑا سیخ پر لگا ہوا، گرم گرم آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہا، پاس ہی بچہ بیٹھا ہوا تھا، وہ گوشت اور وہ دہکتی ہوئی سلاخ اس بچے پر گر پڑی، وہ بچہ زخمی ہوا اور اس کے بعد مر گیا۔ اب فطری تقاضا تھا، حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا، تو غصے اور جلال سے اپنی لونڈی کی طرف نظر اٹھائی، تو اس کنیز نے پڑھا ”وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظَ“ ترجمہ: اور غصے کو پی جانے والے۔ جب اس کنیز نے آگے سے یہ آیت کریمہ پڑھی تو آپ نے نظریں جھکا لیں، پھر اس نے پڑھا ”وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ“ فرمایا میں نے تجھے معاف کیا پھر اس نے کہا ”وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ فرمایا میں نے تجھے معاف کیا۔ پھر اس نے کہا: ”وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ ”وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظَ“ سر جھکا لیا ”وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ“ اسے معاف کر دیا۔ ”وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ اسے آزاد کر دیا۔ یعنی غلطی پر انعام، یہ وہ لوگ تھے جو محسنین تھے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا قرآن جو کہہ رہا ہے، الحمد للہ وہ کرنے والے اس امت میں موجود ہیں جنہوں نے اس کو عملی شکل دی

کہ یہ ساری صورتیں قابل عمل ہیں اور انسان ان پر عمل کر سکتا ہے اور بڑے لوگوں نے کر کے دکھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: "وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ" (الشوری: 37)

ترجمہ: جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلال تو مشہور ہے، انہوں نے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مار دیا تھا۔ سارے پیغمبروں میں سب سے جلالی ہیں، اس لئے ان کے غصے کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ اعراف میں ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ (الاعراف: 154)

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھم گیا۔

یہاں لفظ "سَكَتَ" آیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ خاموش ہو گیا یعنی انہیں غصہ تو شدید آیا تھا لیکن وہ خود خاموش ہو گئے۔ غصہ کنٹرول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زبان چپ ہو اس کے بعد پھر ہاتھ کی نوبت نہیں آئے گی، یعنی غصے کا جو پہلا اظہار ہوتا ہے وہ چہرے کا تاثر ہے، اس کے بعد زبان اور پھر ہاتھ ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودردار رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے اور قرآن بتاتے ہیں کہ یہ پوچھنے والے ابودردار رضی اللہ عنہ ہی تھے، انہوں نے بھی یہی سوال پوچھا کہ مجھے وہ عمل بتا دیجیے جو مجھے جنت میں لے جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَا تَغْضَبْ وَلَكَ الْجَنَّةُ

ترجمہ: غصہ نہ کر جنت تیری ہے۔

احنف ابن قیس رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں:

(حارثہ ابن قدامہ رضی اللہ عنہ)

"أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ لِي قَوْلًا

وَأَقِيلْ عَلَى لَعَلِّ أَعْقَلُهُ“

ترجمہ: حضور مجھے کوئی بات فرمادیں، کہ مجھے یاد رہے، اسے یاد رکھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے تو فرمایا غصہ نہ کر۔

وہ بار بار پوچھتے رہے اور آپ یہ دہراتے رہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ وہ صاحب جو پوچھنے آئے تھے وہ اس مرض کا شدید شکار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ذاتی مرض تشخیص فرمائی اور ساتھ ہی اس کا علاج تجویز فرمادیا۔ صحابہ کرام کہتے ہیں: جب یہ مکالمہ ہو گیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ جو شخص غصے کو کنٹرول کر لے تو گویا کہ اس نے ساری خیر کو حاصل کر لیا، کیونکہ غصہ ایک ایسی چیز ہے جو ساری خرابیوں کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے اور ہر قسم کی خرابی کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے جو غصے کی زد میں آیا وہ ہر شر کی زد میں آیا اور جو غصے سے بچ گیا اس نے ہر بھلائی کو حاصل کر لیا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ ایک صحابی آئے اور انہوں نے پوچھا:

مَاذَا يُبَاعِدُنِي مِنْ غَضَبِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ۚ

ترجمہ: میں اللہ کے غضبِ جلال سے کیسے بچ سکتا ہوں؟۔

”قَالَ لَا تَغْضَبُ“ فرمایا: غصہ نہ کر۔ یعنی تو اللہ کے کسی بندے پر غصہ نہ کر

اللہ تجھ پر غصہ نہ کرے گا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: الْغَضَبُ مِفْتَاحُ كُلِّ

شَرٍّ ترجمہ: غصہ ہر شر کی چابی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سارا حسن اخلاق

ایک جملے میں بیان فرمادیں، تو آپ نے فرمایا:

حُسْنُ الْخُلُقِ بِتَرْكِ الْغَضَبِ ترجمہ: کل حسن خلق غصے کا ترک ہے۔

پھر اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً روایت کیا گیا کہ: ایک صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کی طرف سے آئے اور عرض کی:

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ ترجمہ: حضور سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ "فَقَالَ حُسْنُ الْخُلُقِ"

فرمایا حسن اخلاق: "ثُمَّ أَتَاهُ عَنْ يَمِينِهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ"

ترجمہ: پھر وہ دائیں طرف سے آئے اور یہی سوال پوچھا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اخلاق۔

"ثُمَّ أَتَاهُ عَنْ شِمَالِهِ فَقَالَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ" ترجمہ: پھر وہ صاحب بائیں طرف سے آئے اور عرض کی حضور بہترین عمل کون سا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں طرف سے انہیں جواب دیا حسن اخلاق۔

ثُمَّ أَتَاهُ مِنْ بَعْدِهِ يَعْنِي مَنْ خَلْفَهُ فَقَالَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ ترجمہ: پھر وہ صاحب پیچھے کی طرف سے آئے اور عرض کی حضور افضل عمل کون سا ہے؟

"فَأَلْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لَكَ لَا تَفْقَهُ حُسْنَ الْخُلُقِ هُوَ أَنْ لَا تَغْتَبَ إِنْ اسْتَطَعْتَ"

ترجمہ: فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے، تجھے سمجھ نہیں آرہی کہ حسن خلق کیا ہوتا ہے؟ اب طلب دیکھیے، اس صاحب کا چار بار پوچھنا کیا تھا کہ آقا حسن خلق تو بڑا جامع لفظ ہے لیکن حسن خلق ہوتا کیا ہے؟ میری طلب یہ چاہ رہی ہے کہ حسن خلق کی تفسیر بھی آپ خود فرمادیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن خلق اس کو کہتے ہیں کہ جہاں تک ہو

سکے غصہ نہ کیا کر۔ یہ فطری چیز ہے اس لیے استطاعت کو ساتھ شامل فرمایا کہ اپنے آپ کو کنٹرول کر لیا کرو۔

امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اس نصیحت "لا تغضب" میں دو قسم کے امکان ہیں پہلا یہ کہ:

يَحْتَبِلُ أَمْرَيْنِ : أَحَدُهُمَا أَنْ يَكُونَ مُرَادَهُ الْأَمْرَ بِالْأَسْبَابِ
الَّتِي تَوْجِبُ حَسْنَ الْخَلْقِ مِنَ الْكَرَمِ وَالسَّخَاءِ وَالْحِلْمِ وَالْحَيَاءِ
وَالتَّوَاضِعِ، وَالْآحْتِمَالِ وَكَذَلِكَ الْأَذَى وَالصَّفْحَ وَالْعَفْوَ وَكُظْمَ الْغَيْظِ
وَالطَّلَاقَ وَالْبَشْرَ وَنَحْوَ ذَلِكَ مِنَ الْأَخْلَاقِ الْجَمِيلَةِ

اس کو سیکھنے کا پہلا طریقہ کیا ہے، کہ ان اسباب کو اختیار کیا جائے جو غصے پر کنٹرول کرنے کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں کیا کرم، مہربانی، شفقت، برداشت، حیاء، عاجزی، انکساری، غصے کو پینا، خندہ پیشانی، اس قسم کے جو اخلاق جمیلہ ہیں ان کو حاصل کیا جائے کیونکہ نفس کی یہ خاصیت ہے، کہ جب وہ ان اخلاق سے متخلف ہوتا ہے، ان صفات سے متصف ہوتا ہے، تو پھر یہ اس کی طبیعت بن جاتی ہے، پھر اسے یہ عادات اس وقت سپورٹ کرتی ہیں، جب اس قسم کا حادثہ پیش آتا ہے، اسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان اسباب کو حاصل کرو جو غصے کے رد میں معاون ثابت ہوں۔

دوسرا پہلو یہ ہے، کہ ان خصائل اور رذائل ہی سے بچو جو غصے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جن کی وجہ سے غصہ آتا ہے، دفع شر، وہ چیزیں طبیعت میں ہوں، ان چیزوں کو کنٹرول کر لیا جائے، جو غصے کے اسباب ہیں، اور پھر اس سے تمہارے اندر یہ ملکہ پیدا ہو، یہ صلاحیت واہمیت پیدا ہو جائے کہ جس وقت تمہارے اوپر غصہ طاری ہو، اس وقت تم اپنے نفس پر کنٹرول کر سکو۔

اسی لئے قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: "فَلَمَّا

سَكَّتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ“ (الاعراف: 154) ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

غصے میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں، یا کوئی چیز کی جاتی ہے یا کسی چیز سے روکا جاتا ہے، کسی کو کچھ کرنے کا کہتا ہے، یا کسی کام سے رکنے کے لیے کہتا ہے، اس صورت میں بندے کو اپنے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے، تاکہ بندہ غصے کے شر سے بچ سکے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر میں غصہ چلا جاتا ہے، اور کبھی تھوڑا ٹائم لیتا ہے اور ایسے ہو جاتا ہے کہ جیسے اسے غصہ آیا ہی نہیں تھا۔

غصہ کا علاج:

اسی کیفیت کو قرآن پاک میں بیان کیا گیا کہ: ”وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ“ (الشوری: 37) ترجمہ: اور جب غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ ان کو غصہ آتا ہی نہیں۔ اب سمجھنے کی دو باتیں ہیں ایک یہ ہے کہ غصہ آئے ہی نہ، یہ اعجاز اور معجزہ ہے اور یہ غیر نبی کے لیے محال ہے، اس لیے قرآن نے یہ نہیں کہا کہ غصہ آئے ہی نہ، بلکہ فرمایا جب آئے تو اس کو کسی نہ کسی طریقے سے ریلیز کرے، کبھی در گذر کر دے اور کبھی معاف کر دے اور اس کی معراج یہ ہے کہ ”وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ (ال عمران: 134) ترجمہ: اور غصے کو پینے والے لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے دو صاحب آپس میں لڑ پڑے یعنی ان میں توں توں ہو گئی، صحابہ کرام علیہم الرضوان کہتے ہیں: کہ ہم بیٹھے تھے کہ ایک نے دوسرے کو کچھ مغالطات سنائیں۔ غصے میں چہرے

سرخ ہو رہے ہیں اور نتھنے پھولے ہوئے ہیں کہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" فرمایا: میں ایک ایسا جملہ جانتا ہوں اگر یہ پڑھ لیتا تو اس کا غصہ جاتا رہتا وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے۔ صحابہ کرام نے اس شخص سے کہا: "أَلَا تَسْبَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اے غصے کے مارے ہوئے انسان کیا تو ابھی سن نہیں رہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں، تو یہ فقرہ پڑھ لے اور اس کیفیت سے بچ جا، تو اس غصے سے بھرے ہوئے انسان نے کہا "قَالَ إِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُونٍ" میں کوئی دیوانہ یا پاگل نہیں ہوں میں نے سن لیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا فرمایا ہے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ مبارکہ میں بہت نزاکت اور حکمت پوشیدہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اس شخص کو مخاطب نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام سے فرمایا کہ میرے پاس ایک نسخہ ہے اگر یہ اس پر عمل کر لیتا تو اس کیفیت سے بچ جاتا۔ یہ مقام غور ہے کہ جب آپ کسی کو کوئی نصیحت کریں تو حکمت اور احسن طریقے سے کریں اور حکم بھی یہی ہے کہ: "إِذْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" (حم سجدہ: 34) ترجمہ: جو احسن طریقہ ہے حکمت کے ساتھ۔

کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی غصے میں آئے ہوئے شخص کو ہم نصیحت کرتے ہوئے اس سے بھی زیادہ غصے میں چلے جاتے ہیں، اسی لئے حدیث پاک میں خطبے کے دوران گفتگو ممنوع ہے لیکن فرمایا جس نے کسی گفتگو کرنے والے کو روکا، اس نے بھی خطا کی۔ ایک خطا کو روکنے کے لئے خود ایک خطا کا مرتکب نہ ہو۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

”أَلَا إِنَّ الْغَضَبَ بِحَمْرَةٍ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ“

ترجمہ: غصہ انگارے کی طرح انسان کے دل میں ہوتا ہے، یعنی ایک انگارہ ہے اور اس کے دل میں دہک رہا ہے یہ غصے کی مثال ہے۔

أَفْمَا رَأَيْتُمْ إِلَى حَمْرَةٍ عَيْنَيْهِ، وَانْتِفَاحِ أُودَاجِهِ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق دعا فرمائے۔ آمین!

وَاخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

یحییٰ بن خالد برکی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

ہر علم میں سے ایک اچھا حصہ حاصل کرو کیونکہ آدمی جس علم سے جاہل ہوتا ہے، اس سے بغض رکھتا ہے اور مجھے منظور نہیں کہ تم کسی علم سے بھی بغض رکھو۔

درس حدیث نمبر: 7

ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت

ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت

أَحْمَدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

عن اسامة بن زيد رضی اللہ عنہ قال: قلت يا رسول الله ﷺ

لم ارك تصوم شهرا من الشهور ما تصوم من شعبان؟ قال:

ذلك شهر يغفل الناس عنه بين رجبٍ ورمضان، وهو شهر ترفع

فيه الاعمال الى رب العالمين، فاحب ان يرجع عملي وأقاصيئكم

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنے روزے آپ شعبان میں رکھتے ہیں اتنے روزے میں نے

آپ کو کسی اور مہینے میں رکھتے نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وجہ یہ ہے) کہ

۱- سنن نسائی: کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم: 2359: مسند احمد بن حنبل رقم: 20758

رجب اور رمضان کے درمیان ہونے کی وجہ سے لوگ شعبان سے غفلت کر جاتے ہیں حالانکہ یہ مہینہ ایسا ہے کہ اس مہینے میں رب العالمین کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حالت میں اٹھائے جائیں کہ میں روزہ دار ہوں۔

روی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ يصوم ولا يفطر حتى نقول ما في نفس رسول الله ﷺ ان يفطر العام ثم يفطر فلا يصوم حتى نقول ما في نفسه ان يصوم العام وكان احب الصوم اليه في شعبان

احباب ذی وقار! آج کا درس حدیث دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے کے متعلق میں نے احادیث، سنن نسائی، مسند احمد بن حنبل، معجم الطبرانی سے اور دوسری روایت امام ترمذی سنن جامع ترمذی میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں۔

قال سئل النبي ﷺ اى صوم افضل بعد رمضان قال : شعبان لتعظيم رمضان

شعبان کے مہینے کی خصوصیات بہت ساری ہیں ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے روزے رکھنا ہے شعبان رجب اور رمضان کے درمیان میں ایسا بابرکت اور خاص الخاص مہینہ ہے جس کے اندر اللہ نے بڑی برکتیں اور رحمتیں رکھی ہیں اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان برکتوں سے رحمتوں سے آگاہ کر کے فیضیاب فرمایا تو ان تبرکات میں سے جو شعبان روزے کے متعلق ہیں۔

راوی حدیث کا تعارف

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما وہ نوجوان جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال مبارک سے پہلے ایک لشکر کا امیر مقرر کیا تھا اور جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالا تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ لشکر اسی نوجوان کی قیادت میں روانہ کیا جائے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا پھر وہ لشکر گیا اور امیر المؤمنین نے ان کی سواری کو پکڑ کے اور ساتھ دوڑ کے اس امیر کو رخصت فرمایا، وہ اسامہ بن زید کہ جن کے باپ حارثہ کو محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا پھر ان کے بعد حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو یہ شرف ملا۔ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیار اور محبت فرماتے تھے، بچپن میں جو زیورات بچیوں کے لیے ہوتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کان، ماتھے پر لگا کر لاڈ پیار فرماتے تھے۔ ان کی محبوبیت پر صحابہ کرام رشک کرتے تھے، ایک غلام ابن غلام اس کا یہ شرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بڑھایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے لوگ اپنے بیٹوں سے کہتے تھے کہ اے عبد اللہ نہ تو اسامہ جیسا ہے نہ تیرا باپ زید جیسا ہے وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "قلت یا رسول اللہ ﷺ لم ارك تصوم شہرا من الشہور ما تصوم من شعبان" جتنے روزے آپ ماہ شعبان میں رکھتے ہیں کسی اور مہینے میں اتنے روزے رکھتے نہیں دیکھا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قال: ذالك شہر يغفل الناس عنه بين رجب و رمضان" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وجہ یہ ہے) کہ رجب اور رمضان کے درمیان ہونے کی وجہ سے لوگ شعبان سے غفلت کر جاتے ہیں، اس کی عظمت سے ناواقف ہیں۔

شعبان میں اعمال کا پیش ہونا

وہو شہر ترفع فیہ الاعمال الی رب العالمین حلائکہ یہ مہینہ ایسا ہے کہ اس مہینے میں رب العالمین کے سامنے اعمال نامہ پیش کیا جاتا ہے، فاحب ان یرجع عملی و انا صائمٌ فرمایا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا اعمال نامہ میرے رب کی بارگاہ میں جائے تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔

اس میں ترغیب و تعلیم ہے تاکہ میری امت کے لیے یہ سنت بن جائے کہ وہ شعبان میں نفلی روزے رکھیں کہ جب شعبان میں ملائکہ ہمارا اعمال نامہ بارگاہ میں الوہیت میں پیش کریں جس وقت وہ دفتر نامہ پیش ہو رہا ہو تو اسی وقت کرنٹ رپورٹ یہ جائے کہ یہ بندہ اس وقت روزے کی حالت میں ہے فلسفہ کیا ہے کہ اگر کوئی کوتاہی بھی ہو لغزش بھی ہو تو رب العالمین جو روزے کے بارے میں اس کا یہ فرمان ہے کہ "انا صوم لی و انا اجزی بہ" روزہ میرے لیے اور میں خود روزہ کی جزا ہوں، میں خود روزہ کا بدلہ ہوں وہ اس پر مہربان ہو جائے اور وہ اس وقت اس کا روزہ دار ہونا اس کے لیے باعث نجات ہو جائے۔

اس میں دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو بندہ اس حال میں دنیا سے جائے اس کے اعمال اس حال میں پیش ہوں کہ وہ روزے کی حالت میں ہو تو یہ اس کی بخشش اور نجات کی دلیل ہے۔

دوسری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے "کان رسول اللہ ﷺ یصوم ولا یفطر" حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نفلی روزے رکھتے تھے تو پھر رکھتے ہی جاتے تھے، جب ماہ شعبان میں نفلی روزے رکھنے کا سلسلہ شروع ہوتا تو رکھتے ہی چلے جاتے درمیان میں ناغہ نہیں کرتے تھے "حتی نقول ما فی نفس رسول

اللہ ﷻ ان یفطر العام“ فرماتے ہیں ہم یہ گمان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پورے سال پورے ہی روزے رکھیں گے ”ثم یفطر فلا یصوم“ پھر ایک دم ناغہ آتا ایسے لگتا اب کبھی نہیں رکھیں گے پورا سال نہیں رکھیں گے ”وکان احب الصوم الیہ فی شعبان“ اور نفلی روزوں میں سے جو سب سے محبوب روزہ تھا وہ شعبان معظم کا روزہ تھا۔

وقفہ کر کے روزے رکھنے کی حکمتیں

ایک حکمت یہ ہے کہ جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے۔ پس تو ہر حق والے کو اس کا حق دے دے، معلوم ہوا انسان کو جو نفس ملا ہے وہ اللہ کی طرف سے انسان کے پاس امانت ہے اور انسان کو اس بات کا حکم ہے کہ اس کے حق کی ادائیگی کرے نفس کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے تاکہ اس کا نفس اسے اس کی منزل مقصود تک پہنچا دے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ”قال سئل النبی ﷺ ای صوم افضل بعد رمضان“ ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے۔ یہاں فرائض کے علاوہ نفلی روزوں کی بات ہو رہی ہے، تو سوال کیا گیا کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ کونسا ہے ”قال: شعبان لتعظیم رمضان“ ترجمہ: فرمایا شعبان کا رمضان کی تعظیم کے لیے۔ تعظیم و تکریم کا اجر و ثواب کا فلسفہ دیکھیے، سوال یہ تھا کہ افضل روزہ رمضان کے بعد کونسا ہے تو فرمایا شعبان معظم کا اور اس کی وجہ کیا ہے کہ وہ رمضان سے جڑا ہوا ہے، رمضان کی تعظیم کے لیے اور اس کے استقبال کے لیے رمضان کی تیاری کے لیے شعبان کے

روزے رکھنا شروع کر دیئے اس ماہ رمضان کے ساتھ جڑے ہوئے کی برکت کی وجہ سے تاکہ اس میں بھی برکت ہو جائے، ایک طرف سے دیکھیں تو شعبان جڑا ہوا ہے دوسری طرف دیکھیں تو شوال جڑا ہوا ہے تو اس حدیث اور فارمولا سے یہ بات سمجھ آ گئی کہ جو ادھر سے جڑا ہوا ہو یا دوسری طرف سے جڑا ہوا ہے اس میں رمضان کے انوار کا اثر ہوگا، اس لیے ادھر چھ رکھ دیئے تاکہ جو تیس کے ساتھ یہ چھ رکھ لے پورے چھتیس اس کو 360 پر تقسیم کر لیں تو پورا سال روزہ کا ثواب ہوگا، فرمایا جو رمضان کے ساتھ شوال کے چھ روزے رکھ لے گویا اس کو پورا سال کے روزے کا ثواب ہوگا، اس پر غور کریں شعبان رمضان سے جڑا تو اس میں برکت پیدا ہوگئی شوال رمضان کے ساتھ جڑا تو اس میں برکت پیدا ہوگئی اور اگر انسان رمضان کے جڑ جائے تو؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر بھی کوئی خاصیت پیدا ہوگئی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب رجب کا چاند نظر آتا تو یہ دعا فرماتے تھے "اللہم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا الی رمضان" ترجمہ: اے اللہ ہمارے رجب میں برکت دے شعبان میں برکت دے اور ہمیں خیریت کے ساتھ رمضان تک پہنچا۔ یعنی ہم رمضان کو پالیں یہ جو رمضان کا زندگی میں اگلے سال پالینا ہے یہ اللہ کا اتنا بڑا فضل ہے اتنی بڑی مہربانی ہے کہ انسان کے تصور سے باہر ہے کہ اس نے زندگی میں کتنے رمضان پائے یہ ایسا معاملہ ہے۔ رجب سے ہی بندہ کو رمضان اور رمضان کی برکات کو سمیٹنے کے لیے بندے کو تیاری شروع کر دینی چاہیے پھر جیسے جیسے قریب آتا جائے پھر عملی بھی تیاری شروع کر دے پھر کبھی تیرہ، چودہ، پندرہ کا جو محبوب روزے ہیں وہ رکھ کے اپنی روحانی تیاری کرتا رہے۔

اگلی روایت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "ان النبی ﷺ

کان یصوم شعبان کلہ، فرماتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے، "قالت" قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرماتی ہیں میں عرض کیا "احب الشهور الیک ان تصوم له شعبان" ۱

حضور آپ کا پسندیدہ مہینہ جس میں آپ روزے رکھیں وہ شعبان ہے فرمایا "ان اللہ یکتب فیہ علی کل نفس میتہ تلك السنہ و احب ان یاتیہ اجلی و اناصائم" فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو موت دینا ہوتی ہے وہ اس مہینہ کے اندر لکھتا ہے اس سال جس نے مرنا ہے وہ اس ماہ شعبان میں درج کیا جاتا ہے کہ اس شعبان اور اگلے شعبان کے درمیان یہ یہ روحیں پرواز کریں گی، "و احب ان یاتیہ اجلی و اناصائم" فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میں اس حال میں موت آئے کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "کان رسول اللہ ﷺ یصوم حتی نقول ما یفطر، ویفطر حتی نقول ما یصوم" ۲

کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے چلے جاتے ہمیں لگتا کہ آپ نہیں چھوڑیں گے اور جب درمیان میں وقفہ آجاتا تو ایسا لگتا اب نہیں رکھیں گے۔ وما رایت رسول اللہ ﷺ استکمل صیام شہر قط الا شہر رمضان وما رایتہ فی شہر اکثر صیام منہ فی شعبان" ۳

اس کو امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے فرماتی ہیں کہ سارا سال تو یہی معمول رہتا تھا جب رکھنا شروع کیے تو رکھتے چلے گے اور جب چھوڑ دیئے تو

۱- سنن نسائی: کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲- سنن نسائی: کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم: 2353

۳- لطائف المعارف: 1/128

بس چھوڑ دیئے لیکن جب شعبان کا مہینہ آجاتا تھا تو اس میں وہ روٹیں نہیں ہوتی تھی اس میں لگتا تھا پورا مہینہ ہی شعبان کا روزہ رکھیں گے، مہینہ پورا یا مہینے کا اکثر حصہ روزے میں گزارتے تھے، آپ فرماتی ہیں کہ میں شعبان کے علاوہ اور کسی مہینے میں اتنی کثرت کے ساتھ روزے رکھتے نہیں دیکھا جتنے کہ شعبان کے مہینے کے اندر رکھتے تھے۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فرمان

دوسری روایت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی مشہور حدیث پاک ہے

فرماتی ہیں ”ما راایت رسول اللہ ﷺ یصوم شہرین متتابعین الا شعبان ورمضان“^۱

ترجمہ: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل دو مہینے سوائے شعبان اور رمضان کے سارا سال روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

لوگوں کی شعبان سے غفلت

یہ مہینہ ایسا ہے کہ رجب اور شعبان میں واقع ہونے کی وجہ سے لوگ عموماً اس مہینے سے غافل ہو جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ مہینہ دو عظیم مہینوں، حرمت کا مہینہ رجب اور روزوں کا مہینہ رمضان کے درمیان ہے لوگ رجب اور رمضان میں مشغول رہتے ہیں اور شعبان سے غفلت کرتے ہیں اور بہت سارے لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ ماہ رجب کے روزے شعبان کے روزوں سے افضل ہیں کیونکہ یہ حرمت کا مہینہ ہے اگرچہ ایسی بات نہیں ہے حضرت عائشہ صدیقہ

۱۔ سنن ترمذی: ابواب الصوم، رقم: 668، سنن نسائی: کتاب الصیام، باب صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم:

رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ لوگوں کا ذکر کیا گیا کہ وہ رجب کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر شعبان کے روزوں میں وہ کہاں جائیں گے۔

فضائل شبِ برات کی صحیح روایات

شبِ نصف شعبان جسے ہمارے عرف میں ”شبِ برات“ کہتے ہیں، خاص راتوں میں سے ہے اور اس کے فضائل میں صحیح و حسن احادیث کے علاوہ ایسی ضعیف الاسناد روایات بھی بکثرت موجود ہیں جو تعدد طرق یا شواہد و متابعات کے سبب ترقی پا کر ”حسن لغیرہ“ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف صحیح و حسن روایات کے بیان پر اکتفا کریں گے۔

نصف شعبان سے متعلق صحیح احادیث

شبِ برات یا شعبان کی پندرہویں رات کے حوالے سے صحیح، حسن اور مقبول روایات متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہیں جن کی فہرست حسب مراتب کچھ یوں ہے:

- (۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
- (۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
- (۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
- (۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
- (۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
- (۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
- (۷) حضرت کثیر بن مرہ الحضری رضی اللہ عنہ

(۸) حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ

(۹) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ

پہلی روایت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ينزل الله تبارك وتعالى ليلة النصف من شعبان الى
السبأ الدنيا، فيغفر لكل نفس الا انساناً في قلبه شحناء أو
مشرکاً بالله عزوجل ۱

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمان دنیا کی طرف (اپنی
شایان شان) نزول فرماتا ہے اور ہر کسی کو بخش دیتا ہے سوائے اس انسان کے جس کے
دل میں کینہ ہو یا وہ اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والا ہو۔“
امام بڑارک امام ابن خزیمہ اور دیگر ائمہ کے علاوہ شیخ البانی نے بھی اس حدیث کی
متعدد مقامات (کتاب السنۃ، رقم: ۵۰۹، صحیح الترغیب، صحیح الجامع اور سلسلۃ الصحیحہ وغیرہ) پر تصحیح و
تحسین کی ہے۔

عن النبی ﷺ قال: يطلع الله الى خلقه ليلة النصف من شعبا
ن فيغفر لجميع خلقه الا لمشرك أو مشاحن ۲

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو اپنی مخلوق کی طرف (اپنی
شایان شان) ظہور فرماتا ہے اور اپنی تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے۔ سوائے اس کے جو

۱- (ل) المنذری: عبد العظیم بن عبد القوی، الترغیب والترہیب: (مترجم) ج: ۲/۱۵ رقم: ۱۵۱۷ مطبع:
اشرف اکیڈمی، نیلا گنبد، لاہور

(ب) البرز، مسند البرز: ۲/۴۳۵

۲- (ل) المنذری: عبد العظیم بن عبد القوی، الترغیب والترہیب: ۱/۲۰۷ مطبع: دار ابن کثیر دمشق۔ بیروت

۳- (ل) الہیثمی، علی بن ابو بکر: مجمع الزوائد: ۸/۱۲۶ رقم: ۱۲۸۶۰ مطبع: دار الفکر، بیروت (۱۴۱۲ھ)

(ب) طبرانی، احمد بن سلیمان: معجم کبیر: ۱۶/۹۴ رقم: ۱۸۰۳۹

اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والا ہو، یا وہ شخص جس کے دل میں کینہ ہو۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجالہا ثقات

”امام ابوبکرؓ کہتے ہیں: اسے طبرانی نے کبیر اور الأوسط میں روایت کیا اور دو

نوں روایات کے راوی ثقات ہیں۔“

”محدث عصر شیخ ممدوح کا تبصرہ“

اس روایت کو کچھول نے مالک بن یخامر سے انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ چنانچہ شیخ محمود سعید ممدوح حفظہ اللہ تعالیٰ بعض ناقدین کے

تعاقب میں لکھتے ہیں:

و مالک بن یخا مرثقه مخضرم وقد ادركه مكحول فلا

انقطاع في اسناد كما قيل، والحاصل أن ابن حبان أصاب في

تصحيحه لهذا الحديث ومن الطريق السابقين فقد تعلم تقصير

من حكم على هذا الحديث بالضعف۔^۱

”مالک بن یخامرثقہ اور مخضرمی ہے اور یقیناً کچھول نے اس کا زمانہ پایا ہے اور اس کی

سند میں کوئی انقطاع نہیں جیسا کہ (لوگوں) نے کہا ہے اور خلاصہ یہ کہ ابن حبان نے بجا

طور پر اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور دونوں سابقہ طرق سے اس حدیث پر ضعف کا حکم لگا

نے والے کی کوتاہی معلوم ہو چکی ہے۔“

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں شیخ

احمد شاہ کہتے ہیں: (اسنادہ صحیح)^۲

۱- ممدوح: محمود سعید: التصریف باؤہام من قسم السنن ابی صحیح و ضعیف: ۴/۲۷۲ مطبع: دار البحوث

للدراست الاسلامیہ، دہلی (۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء)

۲- احمد بن حنبل، امام: مسند احمد: ۲/۷۶۱ رقم: ۶۳۵۳ مطبع: دار المعارف، مصر ۱۹۸۰ء

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کو (اصلاح المساجد، رقم: ۹۰) صحیح کہا ہے۔

سلسلۃ الصحیحہ (رقم: ۱۱۴۴) میں جملہ طرق سے اس روایت کو نقل کر کے البانی کہتے ہیں: (صحیح مجموع طرقہ) ”اپنے مجموعی طرق کے ساتھ صحیح ہے۔“

صحیح ابن ماجہ میں ۱۷۰۰ ابو موسیٰ اشعری اور صحیح الجامع ۳۰۰ میں ابو ثعلبہ الخثنی رضی

اللہ عنہ کی روایت کو شیخ البانی نے ”حسن“ کہا ہے۔ کثیر بن مرثد رضی اللہ عنہ کی روایت کو البانی نے ”صحیح الجامع“ میں صحیح اور ”الترغیب والترہیب“ میں ”صحیح

لغیرہ“ کہا ہے۔ ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو البانی نے ”صحیح الترغیب“ (رقم: ۲۷۷۱) میں ”صحیح لغیرہ“ کہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں امام شمس الدین

السخاوی کہتے ہیں:

”لیس فی رجالہ من تکلم فیہ۔“ (الأجوبة المرضیة: ۱/۳۲۵) اس

کے راویوں میں کوئی کلام نہیں ہے۔

جملہ معترضہ: علامہ ناصر الدین البانی کے علمی کارناموں پر نظر رکھنے والا ہر

۱- البانی، ناصر الدین: السلسلۃ الصحیحہ: ۳/۱۳۵ رقم: ۱۱۴۴ مطبع: مکتبۃ المعارف، الریاض

۲- البانی، ناصر الدین: صحیح ابن ماجہ: رقم: ۱۱۴۸ مطبع: مکتبۃ المعارف، الریاض

۳- البانی، ناصر الدین: صحیح الجامع: ۱/۳۸۵ رقم: ۱۸۹۸ مطبع: المکتب الاسلامی، دمشق

۴- البانی، ناصر الدین: صحیح الجامع: رقم: ۲۲۶۸ مطبع: المکتب الاسلامی، دمشق

۵- البانی، ناصر الدین: صحیح الترغیب والترہیب: رقم: ۲۷۷۰ مطبع: مکتبۃ المعارف، الریاض

۶- ایضاً: رقم: ۲۷۷۱

۷- السخاوی، محمد بن عبدالرحمن: الأجوبة المرضیة: ۱/۳۲۵ رقم: ۸۶ مطبع: دار الزاویۃ، الریاض (۱۴۱۸ھ)

طالب علم جانتا ہے کہ ان کی اپنی ہی کتب تضادات و تناقضات سے مملو ہوتی ہیں، خصوصاً احادیث کے معاملے میں صحت و ضعف کا حکم لگانے میں جو لغزشیں ان سے سرزد ہوئی ہیں ان کی نشاندہی اور انکشاف کرنے والے محققین میں شیخ عبداللہ صدیق الغماری، شیخ احمد الدرویش، شیخ علی بن حسن السقاف اور شیخ محمود سعید ممدوح سرفہرست ہیں۔ اس سلسلہ میں شیخ سقاف کی تالیف ”تناقضات الالبانی الواضحات“ نہایت اہمیت کی حامل کتاب ہے۔

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر: 8

اصلاح قلب اور ترک مشتبہات

اصلاح قلب اور ترک مشتبہات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ ۗ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهٖمَ

وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ۔

عن عامر قال سمعت النعبان بن بشیر رضی اللہ عنہا

یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: الحلال بین، والحرام بین و

بینہما امورٌ مشتبہاتٌ، لا یعلمہنَّ کثیرٌ من الناس فمن التقی

الشبہات فقد استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع فی الشبہات وقع

فی الحرام، کالرّاعی یرعی حول الحبی یوشک ان یرتع فیہ، الا وان

لکن ملک حمی، الا وان حمی اللہ محارمه، الا وان فی الجسد مضغۃ اذا

صلحت صلح الجسد کلہ، و اذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی

القلب

۱- صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ان الحلال بین وان الحرام بین

ترجمہ: حضرت نعمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک حلام بھی واضح ہے اور بالاشبہ حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ مشکوک چیزیں ہیں اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے جو شخص ان چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا جو شخص ان مشکوک چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ مثال دی کہ جیسا ایک چرواہا ہے بکریاں چرا رہا ہے اس کو پتہ ہے کہ میں نے اس چراگاہ میں بکریاں چرائی ہیں، اگر اس کی بکریاں اس حد سے کر اس کر جائیں آگے نکل جائیں تو قریب ہے کہ وہ کسے دوسرے کی چراگاہ میں منہ مار دیں اور ایسا ہوتا ہے جس سے بڑی لڑائیاں اور فتنے ہوتے ہیں اس لیے فرمایا کہ ہر بادشاہ کی بھی ایک چراگاہ ہوتی ہے ایک حد ہوتی ہے ایک سیرگاہ ہوتی ہے ایک شکارگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ وہ اس کے محرمات ہیں جن چیزوں کو اس نے حرام کیا وہ اس کی حد ہے جس نے اس کو کر اس کیا گویا اس نے اللہ کی حد کو پھلانگا، اللہ کی چراگاہ میں منہ مارا۔ خبردار سن لو جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب یہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے، جب یہ بگڑ جائے اس میں فساد آجائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے۔

فوائد الحدیث

حضرات گرامی قدر! اس درس حدیث میں ہم متن، راوی اور اس حدیث کو کس کس محدث نے روایت کیا ہے پہلے اس کو پڑھتے ہیں اس کی حکمت یہ ہے کہ سلسلہ اسناد میں جتنے نام آتے ہیں کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ سے انہوں نے اپنے شیخ سے یعنی فلاں بن فلاں اگر ایک حدیث ہو تو اس میں چار، پانچ نام آتے ہیں صرف بائیس حدیث ایسی ہیں جن میں تین واسطے آتے ہیں باقی کی ساری حدیثوں

میں چار، پانچ، چھ راوی ہوتے ہیں اس کی برکت یہ ہے کہ جتنے نام روایت کرتے ہوئے محدث بیان کرتا ہے اس نام لینے کی برکت سے پڑھنے والوں کی وبائیں اور مشکلیں ٹل جاتی ہیں اس کو ہماری اصطلاح میں ختم بخاری شریف کہتے ہیں۔

ختم بخاری شریف

ختم بخاری شریف جو کوئی کرتا ہے ظاہر ہے کوئی عام آدمی تو نہیں کرے گا، کوئی محدث کرے گا، کوئی امام کرے گا، کوئی شیخ الحدیث کرے گا، طالب علم بھی کیا کرے گا، جو حدیث کے ائمہ تھے جب وہ مدینہ منورہ جاتے تھے عام حاجی جاتا ہے تو کوئی قرآن پڑھتا ہے کوئی ذکر و اذکار کرتا ہے، لیکن جو محدثین ہیں وہ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر پوری بخاری شریف سناتے تھے ان کی روایت یہ ہے، کہ جس کا کلام ہے انہیں کو سنائیں جن کا کلام ہے انہیں کو تلاوت کر کے سنا رہے ہیں اسی لیے حدیث کی کتابوں کو بھی اور بخاری شریف کو بھی ائمہ کرام نے پاروں میں تقسیم کیا ہے، پھر اس کو وہاں پر پڑھنا جن کا یہ کلام ہے، بندہ نور علی نور ہو جاتا ہے شکر ہے کہ ختم بخاری شریف کا کوئی بھی منکر نہیں ہے کسی بھی مدرسے میں کسی بھی مکتبہ فکر میں جہاں حدیث کا درس ہوتا ہے وہاں ختم بخاری ضرور ہوتا ہے جب ختم بخاری ہوتا ہے تو امام اس میں حدیث پڑھتے ہوئے محدث سے لے کر خود صاحب حدیث تک سارے بزرگوں کے نام لیے جاتے ہیں ”وعن فلاں وعن فلاں“ راویوں کا نام لیا جاتا ہے جتنے بزرگوں کا نام لیا جاتا ہے ان کا نام لینے کی برکت اور حدیث پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور لوگوں کی مشکل کشائی بھی ہو جاتی ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب

ہم جب حدیث پاک پڑھتے ہیں تو بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں اور اس میں

ٹانگیں پھلا کے نہیں بیٹھنا چاہیے، اس لیے کہ جہاں خالص درس حدیث ہو رہا ہو وہ مجلس، مجلس نبوت ہوتی ہے۔ یہ میرا کلام نہیں یہ اس ہستی کا کلام ہے جس کا میں نے اور آپ نے کلمہ پڑھا ہوا ہے اور جس کا رب اس کی محفل میں بیٹھنے کا ادب خود سیکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۲﴾
(الحجرات: 2)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور ان کے ساتھ اس طرح بلند آواز کے ساتھ بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو۔

میرے محبوب کی بارگاہ میں ادب سے بیٹھنا ایسا نہ ہو کہ جو تھوڑی سی کمائی ہے وہ بھی نہ لٹ جائے، اس لیے درس حدیث میں ادب سے بیٹھیں تاکہ اس کا حقیقی فائدہ ہو، متن حدیث کو اس طرح سنیں اور تلاوت کریں کہ نبی بول رہا ہے اور امتی سن رہا ہے یہ الفاظ زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلتے تھے اور صحابہ کرام سنتے تھے

پھر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”رحم الله خلفائي“ اللہ تعالیٰ میرے خلفاء پر رحم کرے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، آپ کے خلفاء کون ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو میری حدیثیں اسی طرح جس طرح میری زبان پاک سے نکلی ہوں اس کو سنیں گے اور آگے پہنچائیں گے۔ اور میری امت کو سنائیں

گے وہ میرے خلفاء ہوں گے تو جو علماء، امام وہ واسطہ ہیں اصل میں کلام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

حضرات گرامی قدر! اس حدیث کو ائمہ کرام نے ثلث اسلام کہا ہے، یہ اسلام کا تیسرا حصہ ہے جس نے اس حدیث کو پڑھ لیا، سمجھ لیا اس نے اسلام کا تیسرا حصہ علم حاصل کر لیا۔

راوی حدیث کا تعارف

حضرت سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما صحابی ابن صحابی ہیں، یعنی بیٹا بھی صحابی اور باپ بھی صحابی ہے، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت صحابی تھے اور حضرت بشیر رضی اللہ عنہ ان کے باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے محبوب صحابی تھے۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک حلال بھی واضح ہے اور بلاشبہ حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ مشکوک چیزیں ہیں اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے جو شخص ان چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا جو شخص ان مشکوک چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ مثال دی کہ جیسا ایک چرواہا ہے بکریاں چرا رہا ہو اس کو پتہ ہے کہ میں نے اس چراگاہ میں بکریاں چرائی ہیں، اگر اس کی بکریاں اس حد سے کر اس کر جائیں آگے نکل جائیں تو قریب ہے کہ وہ کسی دوسرے کی چراگاہ میں منہ مار دیں اور ایسا ہوتا ہے جس سے بڑی لڑائیاں اور فتنے ہوتے ہیں اس لیے فرمایا کہ ہر بادشاہ کی بھی ایک چراگاہ ہوتی ہے ایک حد ہوتی ہے ایک سیرگاہ ہوتی ہے ایک شکارگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ ہے وہ اس کے محرمات ہیں جن چیزوں کو اس نے حرام کیا وہ اس کی حد ہے جس نے اس کو کر اس کیا گویا اس نے اللہ کی حد کو پھلانگا، اللہ کی چراگاہ

میں منہ مارا۔

آج جو درس کا موضوع ہے: ”الا وان من الجسد مضغۃ“ خبردار سن لو جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے ”اذا صلحت صلح الجسد کلہ“ جب یہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے ”واذا فسدت فسد الجسد کلہ“ جب یہ بگڑ جائے اس میں فساد آجائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے ”الا وہی القلب“ یہاں دیکھیں شروع میں بھی ”الا“ ہے اور جب ختم ہو اوہاں بھی ہے، ”الا“ کا جو لفظ ہے قرآن میں ”اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ“ (یونس: 62) یہ (الا) اس لیے آتا ہے کہ خبردار ہو جاؤ، ہوشیار ہو جاؤ، بڑی اہم اور ضروری بات ہے ”الا وہی القلب“ اور وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے، جسم میں کتنا چھوٹا سا ہے لیکن اس کا کام اور فنکشن سارے جسم کا دار و مدار اس پر ہے اس میں معجزہ بھی ہے کہ وہ چیزیں جو سائنس نے ہمیں چودہ سو سال بعد بتائی، ہمارے آقا علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے وہ بتادیں کہ پورے وجود کی بلڈ سرکولیشن، فلٹریشن کا دار و مدار دل پر ہے جسمانی طور پر بھی بلڈ کا جو پریشر ہے اس کا درست ہونا اس کی بلڈ سرکولیشن کا درست رہنا اس کی فلٹریشن کا درست رہنا اس کے سارے والز کا درست رہنا اس کا دار و مدار قلب پر ہے لیکن ہمارے آقا علیہ السلام نے طب کا علم بھی چودہ سو سال پہلے عطا فرمایا دیا اور یہ ساتویں صدی ہجری میں ایک مسلمان سائنس دان اگر وہ عالم تھا تو یقیناً اس نے اسی حدیث کی روشنی میں ریسرچ کی ہوگی اس نے پہلی بار دریافت کیا تھا کہ یہ دل، سرکولیشن، دل کی دھڑکن جو دھڑکتی ہے اور کتنی بار دن میں دھڑکتی ہے، ایک منٹ میں غالباً ستر بار دھڑکتا ہے، کتنی بار چوبیس گھنٹے میں کتنی بار ایک مہینے میں کتنی بار سال میں دھڑکتی ہے یہ ساری کلکولیشن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں ملی اور اسی کی روشنی آج جدید میڈیکل سائنس جو ہے وہ ہمیں بتاتی

ہے کہ تمہارے بلڈ پریشر کی رفتار کیا ہے جو اصل مقصود ہے اس پر بات کرنی ہے ظاہری بیماریاں جسمانی امراض ہر عضو کا جسم میں ایک فعل ہے ہاتھ پکڑتے ہیں، آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتا ہے زبان چکھتی ہے کھانے میں مدد کرتی ہے سب کا اپنا اپنا کام ہے، اگر ہاتھ پکڑنا چھوڑ دے، کان سننا چھوڑ دے پاؤں چلنا چھوڑ دے زبان چکھنا چھوڑ دے تو کیا ہوگا؟ کام معطل ہو جائے گا، جزوی طور کام رک جائے گا، اگر سارے اعضاء بالکل ٹھیک ہوں اور دل اپنا کام چھوڑ دے ہارٹ فیل ہو جائے، تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ جو دل ہے وہ اس سلطنت جسمانی کا بادشاہ ہے باقی سارے اس کی رعایہ ہے اس کے انڈر ہے اس کا سٹاف ہے یہ دماغ اس کا وزیر ہے وہ اس کو مشورے دیتا ہے اس کو مسیج send کرتا ہے پھر اس کی مرضی ہے Resive کرے، اس کو save کرے، اس کو delet کرے، اس پر عمل کرے پھر آگے اس کی حالت پر depend کرتا ہے تو مثال کی روشنی میں آپ اندازہ کر لیجیے کہ اب اگر قلب بیمار ہے مریض ہے یا روحانی طور پر کمزور ہے جو کام اس سے اللہ کی بندگی کے حوالے سے لینا ہے، جس طرح جسمانی طور پہ خراب ہو جائے تو اس طرح روحانی طور پر اگر یہ خراب ہو جائے اس کا تعلق باللہ کمزور ہو جائے اس کا اللہ سے تعلق ختم ہو جائے اور یہ بھی سمجھ لیں کہ اس کام کیا ہے یہ بتایا کہ آنکھ دیکھتی ہے کان سنتا ہے اب وہ بندے کی مرضی ہے کہ آنکھ سے کیا دیکھے اور کان سے کیا سنے اور ہاتھ سے کیا پکڑے اور پاؤں کہاں لے کر چلے اسی طرح جو قلب ہے اس کا جسمانی فنکشن تو یہ ہے۔ دینی اور روحانی فنکشن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" (الرعد: 28) ترجمہ: خبردار دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے۔ اللہ کا ذکر اللہ کی یاد، سب سے پہلے نور ایمان کا ہونا اس قلب میں پھر اپنے پروردگار کی معرفت کا اس قلب کے اندر ہونا، پھر ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہونا اور اللہ

کی یاد میں محو ہونا اس کے ذکر میں ہونا یہ اس کے کام ہیں، اور ہمارے دین کی ایک بنیاد ہے۔

انما الاعمال بالنیات

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور نیت قلب کے ارادے کو کہتے ہیں، قلب کے فعل کو جیسے سارے اعضاء چل رہے ہوں اور قلب نہ چل رہا ہو تو سب ختم ہے اسی طرح اگر بندہ سارے اعمال صالحہ کر رہا ہو اور اس میں نیت نیک نہ ہو تو سب ختم ہے اگر نیت نہیں ہے تو کوئی عمل عمل نہیں ہے یعنی جب یہ شخص نکلا اس نے ارادہ کیا نماز کا روزے کا کسی نیکی کا تو اس کی نیت کیا تھی، کیا اپنے رب کی یاد میں تھا یا غافل تھا یا کس کیفیت میں تھا یا لوگوں کی طرف متوجہ تھا کہ اگر یہ کام کروں تو لوگ اچھا سمجھیں گے اور مجھے شاباش دیں گے یا کچھ بھی نہیں یا یہ تھا کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو اگر متوجہ الی اللہ تھا تو سمجھو نیت درست ہوگئی یہاں پر جو نبی اکرم ﷺ نے ہماری اصلاح فرمائی وہ یہ کہ سب سے پہلے اپنے قلب کی اصلاح کے لیے سوچنا، جیسے مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر جانچنا اور تشخیص کرنا کہ میرا دل ہے بھی کہ نہیں۔ جس دل کی میں بات کر رہا ہوں وہ صرف اس گوشت کے لو تھڑے کی بات نہیں ہے بلکہ اس قلب کا بھی ایک قلب ہے اس کو لطیفہ قلب کہتے ہیں وہ لطیفہ روحانی جو ہر نورانی جس کے ذریعے بندے اور رب کا رابطہ قائم ہوتا ہے عالم امر کو وہ پہلا لطیفہ، لطیفہ قلب جو اس دل کا دل ہے اور آج میڈیکل سائنس اس تک بھی پہنچ گئی ہے انہوں نے دریافت کر لیا ہے کہ دل کا بھی ایک دل ہے، اس کو کہتے ہیں ہارٹ کا مینڈ ہے، دل کے اندر بھی ایک دماغ ہے اس تک پہنچنا اس کی حال و کیفیات بیان ہوتی ہیں۔ جسے مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، رقم: 1، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم: 1907

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

فرماتے ہیں کہ اس دل کو زندہ کر اور اس کو اللہ کے ذکر کے اندر اتنا محو و مشغول کر کہ اللہ رہ جائے اور سوائے اللہ کے کچھ باقی نہ رہے، کہ اس دل میں صرف اللہ کی یاد رہ جائے جس طرح فرمایا:

رِجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور: 37)

کہ تجارت، کاروبار، بزنس دنیا کے سارے معاملات ہو رہے ہوں لیکن بندہ رب کی یاد کے لیے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہو وہ ذکر قلبی ہے اس قلب کی حالت جو مطلوب و مقصود ہے وہ قلب سلیم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی بارگاہ سے دعا مانگی۔

اللهم انى اسئلك قلبا سليما

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے قلب سلیم مانگتا ہوں۔

صحت مند دل تندرست دل جس دل کے ذریعے بندے کا اللہ سے رابطہ ہو سکے

جو ادھر سے میرا حصہ آئے وہ ضائع نہ جائے رمضان میں ہر روز اتر رہا ہے دن میں بھی رات میں بھی ریونگ نہیں ہے چونکہ سٹم dead ہے سم نہیں ہے موبائل تو پڑا ہوا ہے لیکن اس میں سم ہی نہیں ہے بیٹری چارج ہی نہیں ہوئی ویسے کا ویسا ڈبہ پیک پڑا ہے۔ جب عزرائیل آئیں گئے دیکھیں گے جیسا آیا تھا ویسا ہی جا رہا ہے اندر کا سٹم ایکٹوٹ ہی نہیں ہوا 99% لوگ ایسے ہی جاتے ہیں اندر کا سٹم کھلا ہی نہیں ہے جیسا آیا تھا ویسے مر کے آگے چلا گیا ہے ساری زندگی اپنی خواہشوں، لذتوں حیوانی زندگی گزار کے چلا گیا انسانی زندگی نصیب ہی نہیں ہوئی، انسانی تجربے سے وہ گزرا ہی نہیں پھر اس کے بعد ایمانی تجربہ پھر روحانی تجربہ آتا ہے پھر عرفانی تجربہ آتا ہے وہ مدارج ہیں "الاسلام والایمان والاحسان" حدیث جبرائیل میں، مسلم پھر مومن

پھر محسن، ریکارڈ میں یہ سب چیزیں موجود ہیں لیکن ان کی پریکٹس نہیں ہے اس کا تجربہ نہیں ہے اور جب تک اس قال کو اپنا حال نہیں بناتے اس وقت تک یہ باتیں ہیں تقریریں ہیں لفظ، حرف ہیں اور جو اس میں گزرتا ہے اس پر حقیقت حال کھلتی ہے دراصل معاملہ کیا ہے اور ہم کیا کرتے ہیں۔ اس قلب کی دو چیزیں بتائیں ہیں ایک اصلاح اور ایک فساد ہے یا تو صالح حالت میں ہوگا "اذا صلح الجسد کلہ" درست حالت میں ہوگا جیسی مطلوب ہے تو وہ صالح ہے اور اگر خراب حالت میں ہے "اذا فسدت فسد الجسد کلہ" اگر حالت فساد میں ہے۔

ایک مثال حضرت ابن مکی علیہ الرحمہ نے اس کے حدیث تحت لکھی ہے ایک معارف سے ہے جو لفظوں میں نہیں آتی میں کوشش کر کے اس کو لفظ دے رہا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اگر زمین و آسمان میں دو اللہ ہوتے کفار و مشرکین کو انسانوں، مسلمانوں کو یہ بات سمجھانے کے لیے "لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ" (المؤمنون: 71) تو زمین و آسمان کا نظام پارہ پارہ ہو جاتا کیونکہ اس لیے کہ ایک خدا کہتا کہ میرا دل چاہ رہا کہ آج مشرق کی بجائے سورج مغرب سے نکال دوں تو دوسرا کہتا نہیں مشرق سے نکالنا ہے تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ایک کی مرضی ہوتی بارش بر سے ایک کی مرضی ہو بارش نہ بر سے نظام تہ بالا ہو جاتا اس لیے اللہ صرف ایک ہے۔ معبود صرف ایک، محبوب صرف ایک مطلوب صرف ایک اور صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ مقصود صرف ایک، کس لیے کیونکہ موجود صرف ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

(الرحمن: 27)

ترجمہ: ہر کوئی جو بھی زمین پر رہنے والا ہے وہ فنا ہو جانے والا ہے، اور آپ کے

رب ہی کی ذات باقی رہنے والی ہے جو صاحب عظمت و جلال اور صاحب انعام و اکرام ہے۔

اگر کوئی واجب الوجود ہے تو وہ صرف ایک ہے وہ کہتے ہیں کہ اتنی بڑی کائنات میں دو خدا ہوتے تو یہ تباہ برباد ہو جاتی اگر یہ چھوٹی سے دلڑی میں دو آگئے اس کا یہ کیا حشر کریں گئے۔

اس لیے محبوب آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے الہ کے ساتھ ایک اور الہ رکھا ہوا ہے جس کا نام خواہش نفس ہے مسجد میں آ کر تو مجھے سجدہ کرتا ہے اور سلام پھیرنے کے بعد اس کی پوجا میں لگ جاتا ہے اب دو الہ تو ہو گئے اس میں فساد ہو گا یا اصلاح ہو گئی اس وجود میں جس میں تو حید نہیں ہے شرک کے جراثیم آگئے شراکت آگئی، غیر آگیا، ما سوا اللہ آگیا۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ جنہوں نے یہ تجربہ کیا ہے وہ کہتے ہیں:

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو

نہ کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو

دل کو جن لوگوں نے جگایا، پھر اللہ کے ذکر کا نور ایمان فراست معرفت یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو قلب کی صحت کی علامت ہیں قلب کو طاقتور کرنے والی چیزیں ہیں۔ مومن کی نشانی یہ ہے۔

اتقوا فراست الہو من فأنه ينظر بنور اللہ

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

بخاری شریف کے موجود ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر بھی ایک آنکھ تھی۔ یہ بات علامہ اقبال کو سمجھ آئی اور اس نے کہا:

دل پینا بھی کر خدا سے طلب

آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

آنکھوں کی بینائی تو مانگتا رہتا ہے اندھے کبھی خدا سے دل پینا بھی مانگ، کیونکہ اللہ نے دل کو بھی آنکھ دی ہے اور دل بھی دیکھتا ہے اور دل کیا کیا دیکھ سکتا ہے جہاں سے یہ آنکھ بند ہوتی ہے وہاں دل کی آنکھ شروع ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا فرمان:

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ درس دے رہے تھے اور درس میں انہوں نے یہ حدیث پڑھی کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے وہاں ایک عیسائی مسلمانوں کا حلیہ بنا کے آزمائش کے لیے بیٹھا تھا وہ کھڑا ہو گیا کہ کوئی اس دور میں بھی مومن ہے جو بات آپ کر رہے ہیں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہو، جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس دور میں بھی ہیں ضروری نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کریں، اس نے کہا میں ان سے ملنا چاہتا ہوں آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا یہ جو تو نے کپڑوں کے نیچے زنا رہنا ہوا ہے یہ اتار تجھے اس سے ملا دیں گے وہی کھڑے کھڑے زنا توڑا اور کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

تو فراست مومن جو آج کے دور میں اس کی خوشبو نہیں آتی کیونکہ اس کے لیے قلب کا زندہ ہونا، ایکٹو ہونا، ذاکر ہونا، اور قلب کا عارف ہونا ضروری ہے، نمازی ملیں گے، حاجی ملیں گے، قاری ملیں گے، مفتی ملیں گے، علامہ ملیں گے لیکن جو اصل مقصود ہے وہ دور نہیں کیونکہ وہ اس طرف گئے ہی نہیں ہیں۔

قرآن پاک کی سورہ شعراء کی آیہ 88، 89 میں ہے اگر قلب صالح ہے تو سارا وجود صالح ہے اگر قلب فاسد ہے تو سارا وجود فاسد ہے اور اگر قلب سلیم ہے تو یہ دنیا

بھی حسنہ ہے اور وہ دنیا بھی حسنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک بات کی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ (شعراء: 88)

ترجمہ: جس دن نہ کوئی مال اور اولاد نفع دے گی۔

یہاں پر مال و اولاد کام آرہے ہیں اس روز جزا کا تعارف یہ ہے کہ کوئی قارون کا خزانہ کام نہیں دے گا کوئی بینک بیلنس، چیک بک کسی کام کی نہیں ہے، کوئی کریڈٹ کارڈ کسی کام کا نہیں ”إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ (الشعراء: 89) مگر وہ شخص جو اس حال میں حاضر ہوا کہ اس کے سینے میں دھڑکنے والا دل اللہ اللہ کر رہا تھا جو قلب سلیم ہی لے کے آیا جو شراکت سے پاک تھا، غیریت سے پاک تھا، اللہ کی محبت تھی وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴿١٦٥﴾ (البقرہ: 165) وہ قلب سلیم جو اتباع شہوات سے پاک تھا جس میں تقویٰ ہوگا للہیت ہوگی وہی قلب سلیم ہوگا، عبادت صر ف جبری اور گھسیٹ گھساٹ کے نہیں کرے گا۔ جیسے فرمایا کہ مسجد میں تو ایسے جیسے مچھلی پانی میں ہے اور اگر مسجد سے باہر ہو تو ایسے جیسے کسی نے مچھلی کو پانی سے باہر نکال دیا ہے یعنی ہر وقت اپنے رب کی یاد میں لگا رہے، ہر حرام سے بچے اور ہر حلال کو اختیار کرے اس لیے جو دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائیں تعلیم دیں سب سے بنیادی اور اہم دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی کثرت سے مانگتے تھے، بلکہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب قسم بھی کھانی ہوتی تو فرماتے۔

لا ومقلب القلوب ۛ

ترجمہ: دلوں کو پھیرنے والے کی قسم ہے۔

قلب کا مطلب یہ ہے کہ پھیرتا رہتا ہے ایک حال پر قائم نہیں رہتا اس کو قلب

اسی لیے کہتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے، پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا یہ سکھائی کہ ”یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا فی طاعتک“ ”یا مقلب القلوب ثبت قلبی فی طاعتک“ اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنی بندگی پر ثابت رکھ۔ دوسرے الفاظ میں ”یا مصرف القلوب صرف قلبی علی دینک“ اے دلوں کو پھیرنے میرا دل جب پھرے تو تیرے دین کی طرف پھرے۔ اور یہ دعا بڑی ہی محبوب ہے ”اللہم انی اسئلك قلباً سلیماً“ اے اللہ میں تجھ سے قلب سلیم مانگتا ہوں۔ ”اللہم طہّر قلبی من النفاق“ اے اللہ میرے دل کو منافقت سے پاک کر دے۔ یہ بھی ایک بیماری ہے جو دل سے لگتی ہے پھر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے جو شقی ہے یعنی جو سختی والا دل ہے۔ اس سے پناہ مانگی ہے۔

”اللہم انی اعوذ بک من علم لا ینفع“

اے اللہ میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔

”و من قلب لا یخشع“ (سنن ابن ماجہ: کتاب الدعاء، باب دعا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم 1261/2)

اور اس قلب سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔ جس میں گڑ گڑاہٹ نہ ہو، جس میں تیرا خوف نہ ہو نرمی نہ ہو سخت دل ہو اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ“ بندے کا ایمان اس وقت تک قائم نہیں ہوتا جب تک اس کا دل قائم نہ ہو۔ اس وقت تک ایمان بھی نہیں ٹھہرتا جب تک دل نہ ٹھہرے ہم سارے اوپر کے کام کرتے رہتے ہیں اور بنیاد کو چھوڑے رکھتے ہیں اوپر کی عمارت، ڈیکوریشن نہ جانے کیا کیا کرتے رہتے ہیں لیکن جو سارے دین کی ایمان کی اعمال کی بنیاد ہے اس کو شیطان کے لیے چھوڑی رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایک روحانی پوائنٹ ہے جو اللہ نے انسانی وجود کے اندر بنایا ہے اور اگر

اس کو اصل فنکشن کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا تو شیطان اس پر قبضہ کر لے گا۔

شیطان کا دل پر حملہ کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان الشیطن جاسم علی قلب بن آدم" شیطان انسانی قلب کے ساتھ آ کے چمٹ جاتا ہے۔ پورا کنٹرول کر لیتا ہے "واذ ذکر خنس" اور جب وہ ذکر کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ "واذا غفل وسوس" اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو شیطان پھر حملہ کرتا ہے۔ یہ جو شکوک و شبہات ہیں، یہ جو جہالت ہے، یہ جو گناہ ہیں یہ سب دل کی بیماریاں ہیں، تکبر، حسد، کینہ، بغض، جھوٹ، شہوات نفسانی، فحاشی یہ سب قلبی بیماریاں ہیں ایک بھی لگ جائے تو بڑی خطرناک ہے چہ جائیکہ کئی لگی ہوں۔

اس کی حدیث پاک میں ایسی مثال دے دی جو بڑی جامع ہے، جامع ترمذی میں موجود ہے کہ جب ایک شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک دھبہ لگ جاتا ہے پھر اگر توبہ کر لے تو وہ مٹ جاتا ہے پھر وہ دھو لے توبہ کے پانی سے تو وہ صاف ہو جاتا ہے، پھر اگر اسی میں مبتلا رہے، گناہ کرتا رہے تو اس کا دل ایک سیاہ غلاف میں لپٹ جاتا ہے، اس کے بعد اس پر کوئی بھلائی کی، نیکی کی بات اثر نہیں کرتی، تو صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے پہلے کوشش کرنی چائے کہ یہ قلب سلیم بن جائے اس کے بعد بہت مشکل ہو جاتا ہے جس کے چالیس سال میں گناہ کم اور نیکیاں زیادہ ہوں وہ بہت خوش قسمت انسان ہے اور جس کے گناہ زیادہ اور نیکیاں کم ہوں یا پھر برائے نام ہی ہوں تو پھر شیطان اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہتا ہے کہ تو اب میرا ہی ہے تو اب کہیں نہیں جاتا اس لیے جو قلب کی حالت ہے اس کی طرف بہت بڑی توجہ کی ضرورت ہے، استقامت قلبی کی نشانی کیا ہے ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اپنی داڑھی سے کھیل بھی رہا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ "لو قلبہ

خشعت لخشعت جوارحہ“ فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ مین کنٹرول روم اور ہیڈ کوارٹر وہیں تو گڑ بڑ ہے خرابی ہے وہاں کچھ ہے ہی نہیں تو باقی جو مرضی ہوتا رہے تو مین مرکز کی اصلاح کمزور ہے اس کو درست اور مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ استقامت قلبی کیا چیز ہے؟ ہر محبت پر اللہ کی محبت غالب ہو۔

حدیث پاک میں موجود ہے۔ ”من اعطی اللہ و منع اللہ و احب اللہ

و ابغض اللہ فقد استکمل الایمان“

جس نے کسی کو جو دیا اللہ کی خاطر دیا اور جو نہ دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

وہ بھی اللہ کی خاطر نہ دیا اور جس سے محبت کی تو اللہ کے لیے اور جس سے دشمنی و بغض رکھا تو اللہ کے لیے رکھا تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

یہ وہ لوگ ہیں ان کے بارے میں قرآن پاک فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا (حم سجدہ: 30)

ترجمہ: یہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے۔

اللہ کو رب ماننا پھر اس پر ڈٹ گئے ڈنڈی نہیں ماری پھر اگر کوئی داڑھی مونڈ مسجد

میں آیا تو میاں شیر محمد ربانی علیہ الرحمہ نے اس کو اپنی مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دی،

فرمایا بیٹا تو ناراض ہوتا ہے تو ہو میں اللہ کو ناراض نہیں کر سکتا۔

یہ ایمان ہے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

اللہ کی خاطر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی، اب بیمار تو نہیں چاہتا کہ کوئی اسے سوئی

چھوئے لیکن ڈاکٹر اس کا خیر خواہ ہوتا ہے اور یہ مانتا بھی ہے اور پیسے دے کر کہتا ہے

کہ سوئی چھو، اب وہ ڈاکٹر منبر و محراب میں نہیں رہے جو سوئی چھوئیں۔

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ جب لوگوں سے خطاب کرتے تھے تو کہتے تھے "یا موت القلوب" اے مردہ دلوں، مرے ہوئے دلوں والوں، اے غافلوں، اے دنیا دارو، اے اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں، اکثر لوگوں کو جھنجھوڑنا اور شر سے لوگوں کو خیر کی طرف لے آنا، علماء کی مبلغین کی ذمہ داری ہے، جو اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

اس قلب کی جو بیماریاں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْعًا" (النساء: 36) ترجمہ: کسی اور کو شریک نہ کرو۔ مثلاً پیسے کو، مال کو، اولاد کو، دنیاوی مفادات کو، اپنی خواہش نفس کو اپنی ذاتی مرضی کو اللہ کی مرضی کے مقابلے میں کھڑا کر دیا تو یہ شرک ہے اور اللہ کی مرضی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ایک ہے "مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" ترجمہ: جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

بندہ جب شیشہ دیکھتا ہے تو شیطان کہتا ہے سیفی پھیر کے بلیڈ پھیر کے بڑا چہرہ چمکایا ہوا بہت اچھا لگ رہا ہے، شیطان اس کو یعنی نفس امارہ اس کو اندر سے شاباش ہے اب اس کی خواہش اور نفس کی مرضی ہے کہ وہ اچھا لگ رہا ہے۔ اب اس کی پیدا کر نیوالی ہستی اور جس کا کلمہ پڑھنے والا ہے انہوں نے کیا فرمایا ہے۔

"واعفوا الحی خالفوا الیہود والنصارى" فرمایا میرے امتیو! اپنے چہروں پر میری سنت کو سجانا میری مخالفت نہ کرنا بلکہ یہود و نصاری کی مخالفت کرنا، اب نفس ٹکرا گیا اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، ایک مثال دے رہا ہوں کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی کوئی معاملہ کوئی فعل کوئی بات ہو یا اپنی ذاتی خواہش اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آجائے تو جو قلب سلیم ہو گا وہ ہر بت توڑ دے گا اور اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہو جائے گا۔

اسی لیے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا:

ع تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

ارے تو نے تو دل میں ہی بت سجائے ہوئے ہیں نام عبد الرحمن ہے اور کام عبدا
لدرہم والدینار ہے، پاؤنڈ کا بندہ، درہم کا بندہ، دینار کا بندہ، ریال کا بندہ، کرنسی کا
بندہ۔ فرمایا: ”ہلک عبد الدرہم والدینار“ درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہو جائے
گا، جس نے اپنے دل میں یہ بت پالے ہوئے ہیں، خواہشات کے، درہم و دینار کے
اور طرح طرح کی خواہشات کے یہ بت ہیں، شریعت نے ان کو بت کہا ہے جو اللہ اور
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ٹکرا رہا ہے اس میں وہ قلب آپکا معاون ہوگا جو قلب سلیم ہوگا
اور جو بگڑا ہوا ہے وہ کبھی بھی معاون نہ ہوگا وہ ہمیشہ برائی کی طرف رجوع کرے گا
اسے لذت آئے گی، اس کو بھلائی اور خیر کے کام میں لذت نہیں آئے گی۔ اس کی
مختلف حالتیں ہیں کبھی دل مرا ہوتا ہے کبھی ضعیف و کمزور ہوتا ہے، کبھی ہر قسم کے فہم
سے عاری ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

”لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا“ (الاعراف: 179)

ترجمہ: ان کے دل تو ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔

ہماری شریعت میں جو عقل کا محل ہے وہ قلب ہے یہ دماغ جب تک عقل کے
تابع رہے گا بشرطیکہ قلب صالح ہو تو سارے معاملات ٹھیک رہیں گے اور اگر بادشاہ
وزیر کے تابع ہو جائے بادشاہ مفلوج ہے، کچھ نہیں کر سکتا تو وزیر کی مرضی جو کرتا
پھرے۔ دماغ کے مختلف لیول ہوتے ہیں جس کو جو کچھ سمجھ آ رہی ہوتا وہ کرتا جا رہا ہوتا
ہے وہ کہتا ہے کہ یہی تھا، تو قلب سلیم اللہ ہمیں نصیب فرمائے۔

باطن کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک روزہ دیا یہ رمضان کا مہینہ دیا ہے

فرمایا: ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (البقرہ: 183) تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اس کو چکھیں کہ کیا چیز ہے یہ جب دل میں آتا ہے تو اس کے کیا اثرات ہیں اس کے برکات و ثمرات کیا ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس دل کو کس مقصد کے لیے بنایا ہے اور ہم اس کو کن کاموں کے لیے لگایا ہوا ہے اس سے ہم وہ کام لے رہے ہیں جس کے لیے یہ بنا ہوا نہیں ہے۔

صوفیہ کرام اور ہمارے اسلاف کے جتنے اقوال یہ لکھے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں میں ایک قدم بھی جو اٹھاتا ہوں تو اس کے پیچھے بھی میرا قلب ہوتا ہے اور وہ بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ جو تو نے قدم رکھا ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق صحیح رکھا ہے۔ تو یہ سارے جسمانی اعضاء ٹھیک ہو جاتے ہیں اگر پیچھے ان کا کنٹرول درست ہو جائے۔ عربی کا ایک مشہور محاورہ ہے: "الناس علی دین ملوکھم" رعایا اپنے حاکم کے دین پر ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ حاکم ہو تو لوگ خود بخود نمازی بن رہے ہوتے ہیں خود ہی تقویٰ اختیار کر رہے ہوتے ہیں اور ولید بن عبدالملک حاکم ہو تو لوگ پلاٹوں کی قیمتیں پوچھ رہے ہوتے ہیں بینک بیلنس اکٹھا کر رہے ہوتے ہیں یعنی اگر حاکم تھری پیس پہن کر آئے تو رعایا بھی تھری پیس پہن رہی ہوتی ہے اور اگر حاکم واسکوٹ پہن کے آئے تو رعایا بھی واسکوٹ پہن کے آرہی ہوتی ہے یہ اتنا اہم ہے کہ بغیر کہے لوگ اس رنگ میں رنگے جا رہے ہوتے ہیں یہی حال اس جسمانی بادشاہ کا ہے کہ اگر یہ درست ہو جائے تو سارے جسمانی اعضاء خود ہی اس کے رنگ میں رنگے جا رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلب سلیم اور شرح صدر نصیب فرمائے۔ آمین!

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر: 9

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

افضليت صدق اكبر رضى الله عنه

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

عن عبد الله ابن زمعة قال: لها استعز برسول الله ﷺ وانا

عنده في نفر من المسلمين دعاه بلال الى الصلاة، فقال: مروا من

يصلى للناس، فخرج عبد الله بن زمعة، فاذا عمر في الناس، وكان ابو

بكر غائبا، فقلت: يا عمر، قم فصل بالناس، فتقدم فكبر، فلها سمع

رسول الله ﷺ صوته وكان عمر رجلا مبهرا، قال: فابن ابو بكر؟ يا

بي الله ذلك والمسلمون، يا بي الله ذلك والمسلمون، فبعث الى ابى

بكر رضى الله عنه فجاء بعد ان صلى عمر تلك الصلاة فصلى

بالناس.

١- ابوداود: كتاب السنه، باب فى استخلاف ابى بكر رضى الله عنه: 2/215 رقم: 4660

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بیماری کی شدت ہوئی تو میں مسلمانوں کے چند افراد کے ساتھ آپ کے پاس تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے بلایا تو آپ نے فرمایا کہ کسی کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عمر لوگوں کے درمیان موجود ہیں اور ابو بکر غائب تھے تو میں نے کہا اے عمر آگے بڑھو اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ جب حضرت عمر آگے بڑھے اور تکبیر کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آواز سنی کیونکہ عمر ایک بلند آواز والے آدمی تھے فرمایا: ابو بکر کہاں اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں، اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں پس ابو بکر کو بلا بھیجا وہ اس وقت تشریف لائے جبکہ وہ نماز پڑھائے چکے تھے تو پھر ابو بکر صدیق نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں ایک باب باندھا ہے اور جب محدثین اپنی کتابوں میں باب کا عنوان بناتے ہیں تو وہ باب حدیث کے مضمون سے ماخوذ ہوتا ہے اس باب کے عنوان سے محدث کا اپنا رجحان پتہ چلتا ہے اس کا عقیدہ پتہ چلتا ہے امام ابو داؤد نے کتاب السنہ کے اندر ”باب فی استخلاف ابی بکر“ صدیق اکبر کی خلافت کا باب اس کے تحت دو حدیث لائے ہیں اس کے اندر اس حدیث سے جو مضمون اخذ کیا یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام علالت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے امامت کا حکم فرمایا: مصلی رسول اللہ پر کھڑے لوگوں کی امامت کرائیں۔ اس دوران یہ کیفیت پیش آئی۔ نماز کا وقت ہو گیا نماز ادا کرنے کے لیے لوگ جمع ہو گئے، عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے اذان دے دی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی موجود

تھے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، غیر موجود لہذا لوگوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حسب ضرورت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے مصلی امامت پر کھڑے ہوئے، تکبیر کہی اور تکبیر اس مصلی پر کہی کہ جس کے چند ہاتھ کے فاصلے پر حجرہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ”کان عمر رجل مجھرا“ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بلند آواز شخصیت تھے یہ آواز تو بڑی جانی پہچانی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آواز سنی تو یہ اس کی آواز نہیں جس کو ہم نے مقرر کیا ہے فرمایا: ”فاین ابو بکر“ حجرہ کے اندر سے آواز آئی کہ ابو بکر کہاں ہیں ساتھ یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے: ”یا بی اللہ ذلک والیسلبون“ اللہ اور اس کے بندے کبھی قبول نہیں کریں گے، پھر یہی الفاظ فرمائے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف بندہ دوڑا یا گیا کہ انہیں لے آئے اور وہ آگے لوگوں کو نماز پڑھا دیں لیکن اس آنے جانے میں کافی دیر ہو گئی، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہ والی نماز پڑھائی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آنے تک اتنی دیر ہو گئی کہ وہ جماعت میں آکر ملے اور وہ نماز ادا فرمائی۔

اس باب میں دوسری حدیث لائے ہیں، حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”خرج النبی ﷺ حتی اطلع راسه من حجر ته ثم قال“ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ مبارکہ سے پردہ ہٹا کر سراقس کو باہر نکالا اور فرمایا:

لا، لا، لیصل للناس ابن ابی قحافة یقول ذلک مغضباً

یہ الفاظ بڑے جلال کے انداز میں فرمائے کہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں،

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کا اسم گرامی عبد اللہ بن عثمان، ابن ابی قحافہ والد گرامی کی کنیت ہے، بعض کتابوں میں غلط لکھا ہے کہ ان کا نام عبد الکعبہ تھا بعد میں عبد اللہ رکھا تھا۔ کوئی ایک مستند روایت نہیں ملتی کہ جس میں ہو کہ آپ کا نام پہلے عبد الکعبہ تھا اور بعد میں عبد اللہ رکھا، یہ سیرت کی کتابوں میں عام ہے اور اس کو لوگ دہراتے ہیں۔ امام ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں دس، پندرہ احادیث مبارکہ لائے ہیں کہ آپ کے والد نے ہی آپ کا نام عبد اللہ رکھا تھا یہ تو اتر اور تسلسل سے ثابت ہے۔ اور یہ فطرت سلیمہ تھی، مکہ میں پہلے بھی عبد اللہ موجود تھے یہ کوئی ایسا نام نہیں تھا کہ لوگ اس سے واقف نہ ہوں عبد اللہ بن عبد المطلب جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی ہیں۔ دوسرا جو نام تھا وہ عتیق تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرے پر وہ انوار و تجلیات رکھیں ہیں کہ اس کو دیکھ کر لوگ آپ کو عتیق پکارنے لگے۔ پھر ایک موقع آیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن اسی عالم میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور آپ کے چہرہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو فرمایا: ”هذا عتیق و انک عتیق اللہ من النار“ اے صدیق تم عتیق ہو اور ایسے عتیق ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو، یہ بشارت سنائی تو یہ نام اور مشہور و معروف ہو گیا، جب معراج سے واپسی ہوئی تو راستے میں اس لیے کہ جبرائیل صرف لینے نہیں آئے تھے بلکہ چھوڑنے بھی آئے تھے جب واپس مکہ مکرمہ چھوڑنے آئے تو جبرائیل امین نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ دیکھ کے آئے ہیں اس کو آپ نے مکہ والوں کو بتانا بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرائیل یہ کون مانے گا لوگ تو میری مخالفت اور میرا مذاق

اڑانا شروع کر دیں گے۔ جبرائیل امین نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مانے یا نہ مانے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ضرور اس کو مانے گے اس کی تصدیق کریں گے یہ وہ لقب صدیق تھا جو پہلے اللہ کی طرف سے آیا، پھر جبرائیل امین کی طرف سے آیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم شریف کے اندر تشریف لائے اور سارے کفار مکہ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو وہ سارے جھٹلانے اور باتیں کرنے لگ گئے کہ رات کے تھوڑے سے حصے میں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابو جہل نے ایک گروپ بنایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچ گیا اور کہا اے صدیق اکبر! کیا آپ نے سنا کہ آپ کے صاحب نے کیا باتیں کی ہیں، رات کے تھوڑے حصے میں سارا سزا و جزا، ازل و ابد دیکھ کر آنا، جنت و دوزخ کے مشاہدات کر آنا یہ سارا کچھ پھر رات کے تھوڑے سے حصے میں کیا یہ ممکن ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ باتیں میرے محبوب نے فرمائیں ہیں تو پھر یہ ممکن ہے یہ ہو سکتا ہے، میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ جو انہوں نے فرمایا ہے وہ حق ہے ابھی منکر اور کافر کی زبان سے سنا ہے direct زبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ابھی نہیں سنا۔ پھر جب بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری رات کی صورت حال سے آگاہ کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس سے آگے بھی کوئی باتیں ہیں تو میں ان کی بھی تصدیق کرتا ہوں تو فرمایا اے ابو بکر آج کے بعد تم صدیق ہو یہ اس واقعہ معراج کی تصدیق میں یہ لقب اور بشارت عطا ہوئی۔ قرآن پاک کی سورہ زمر میں آیا: وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿33﴾ (الزمر: 33) ترجمہ: وہ جو سچ لے کر آئے اور وہ جس نے سچ کی تصدیق کی یہی لوگ تقویٰ والے ہیں۔ یہ آئیہ کریمہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں اتری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کی گواہی دی

ہے، ساتھ یہ بھی فرمایا: **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ** ط (الحجرات: 13)
ترجمہ: اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہیں جو تقویٰ والے ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تصدیق ہوتی ہے۔

جو حدیث سنن ابی داؤد میں آئی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کا مسئلہ
ہے اس سے اکثر محدثین نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی موجودگی
میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ پر کھڑا کرنا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کئی دن
تک لوگوں کو نماز پڑھانا، جس میں تمام صحابہ کرام اقتدا کرتے تھے، عمر بن خطاب رضی
اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ سب ان کی اقتدا میں نمازیں
پڑھتے تھے۔ کئی دن یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے حجرہ سے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ جماعت کھڑی ہے تو آپ بھی اس جماعت کے اندر
شریک ہوئے اور اس کیفیت میں آئے کہ صحابہ کرام کی جس صف میں آ رہے ہیں اس
صف کے صحابہ کرام کو پتہ چل رہا ہے دوران نماز ہی جو کیفیت طاری ہوئی، صحابہ کرام
اس حالت و کیف میں ہو گئے کہ ہاتھوں پہ ہاتھ مارنے لگے، صدیق اکبر جو آگے
امامت کر رہے تھے انہیں پتہ چل جائے کہ حقیقی امام آ گیا ہے جن کے نائب کے طور
پر کھڑے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مصلے کے قریب پہنچے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو
پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں تو حالت نماز ہی میں مصلے سے پیچھے
سرکنا شروع کر دیا نماز جاری ہے صفیں بندھی ہوئی ہیں ساتھ ساتھ صحابہ کرام اس محبت
اور بے تابی کا مظاہرہ بھی کر رہے ہیں جب پیچھے سرکنا شروع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دوران نماز ہی خطاب فرمایا: **«مَكَانِكَ ابَا بَكْرٍ»** ابو بکر اپنی جگہ پر کھڑا رہ، لیکن
ابو بکر پیچھے سرکتے آ رہے ہیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے
برابر پہنچے اور بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز کی نیت باندھی صحابہ کرام کھڑے

ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہاں فقہاء کرام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر امام علیل ہو، کمزور ہو یا ضعیف ہو تو وہ بیٹھا رہے اور مقتدی کھڑے رہیں نماز ہو جائے گی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہیں نماز ٹوٹی نہیں ہے نماز اسی حالت میں جاری ہے صرف امام بخاری لکھتے ہیں کیفیت یہ ہو گئی کہ صحابہ کرام صدیق اکبر کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور صدیق اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے دوران نماز ہی امام بدلہ ہے جب صحابہ کرام نے نیت باندھی تھی تو صدیق اکبر کے پیچھے باندھی تھی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امامت کی، دوران نماز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت میں آ کر شریک ہوئے تو امامت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، صدیق اکبر کی امامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہے اور صحابہ کرام کی امامت صدیق اکبر فرماتے رہے اب امام کو جو اہلیت شریعہ اسلامیہ میں ہے وہ شخص امام بنے جو سب سے زیادہ صاحب علم ہو، یا سب سے زیادہ اچھا قرآن پڑھنے والا ہو، ان موجود میں سے سب سے زیادہ متقی ہو اگر باتفاق ان میں تمام لوگ برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرائے یہ ساری خصوصیات صدیق اکبر کے اندر موجود تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً دو سال عمر میں چھوٹے تھے اور اکثر صحابہ کرام میں سے سب سے بڑے تھے تو یہ علم و تقویٰ، بزرگی، قربت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں جو مقام و مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا اس میں ایک اور چیز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ اے علی میں تو ہر جگہ تجھے آگے کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن میرا رب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آگے کرنا چاہتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے اظہار فرمایا دیا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا دین میں امام بنایا ہے اس کو ہم اپنی دنیا میں اپنا امام مانتے ہیں یہ علی شیر خدا کا فیصلہ ہے، کہ

جس شخص کے مقدم فی الدین ہونے پر اللہ اور اس کا رسول راضی ہے کہ وہ دین میں ہمارا امام بنے تو دنیا میں اس کو امام ماننے سے ہمیں کیا چیز مانع ہے ہمیں کیا رکاوٹ ہو گئی تو ہم اس پر راضی ہیں کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امام چنا ہے۔ دنیا کے اندر ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمارا خلیفہ بنایا گیا ہے تو ہم ان صورتوں میں ان پر راضی ہیں۔ یہ تقسیم کا فلسفہ نکلا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یہ بات لکھی ہے، بعد میں انہوں نے اس بات سے رجوع کر لیا تھا پھر انہوں نے اس پر ایک کتاب لکھی "قرة العینین فی تفضیل الشیخین" جو دلائل شرعیہ کی روشنی میں لکھی کہ تمام صحابہ کرام اور پچھلی تمام امتوں میں اور تمام اولاد آدم میں نبی و رسل کے بعد افضل ترین شخصیت، ہستی وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اس پر اجماع ہو گیا۔ سب سے پہلے تقسیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کی ہے کہ جو ظاہری خلافت ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملی ہے اور جو باطنی خلافت ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی ہے پہلے انہوں نے یہ بات اپنی سوچ و فکر کے ساتھ سمجھی اور لکھ دی پھر جب حقائق کھلے چونکہ شاہ صاحب کوئی خشک عالم نہیں تھے وہ صاحب حال صوفی بھی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ڈائریکٹ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم ہوا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی باطنی خلیفہ بھی ہیں اور ظاہری خلیفہ بھی ہیں۔

پھر وہ کہتے ہیں اس پر پوری کتاب لکھی اس میں احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام، اور اہل بیت اطہار سے ثابت کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں۔

بخاری، مسلم کی ایک حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں "من احب الناس الیک یا رسول اللہ ﷺ" یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ آپ کو محبوب کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قال: عائشة" میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ومن الرجال" مردوں میں سے کون محبوب ہے فرمایا: "ابوہا" اس کا باپ ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نرم دل ہونا

صحابہ کرام نے دیکھا کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا صورت یہ پیش آئی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ چونکہ دونوں وزیر ہیں کسی بات پر تلخ کلامی ہوگئی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عمر بن خطاب کا رویہ ناگوار گزرا حالانکہ آپ نے بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی شدت کلامی فرمائی خود بعد میں اس کا اعتراف بھی کیا یہ کمال تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس حال میں آئے کہ اپنی تہبند کا ایک کونہ پکڑا ہوا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا، تو عرض کی آج عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ تلخ کلامی فرمائی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر اتنا جلال آیا کہ میں نے خود ہی دیکھ کر وکالت کرنا شروع کر دی، کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بھی اس کے ساتھ سخت کلامی کی ہے لیکن میری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنی اور اس جلال میں عمر بن خطاب کو بلا لیا، جب عمر رضی اللہ عنہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ جس وقت میں نے دعوت اسلام دی تو تم میں سے ہر ایک نے مجھ جھٹلایا، میرا انکار کیا اور جس نے میری دعوت کو قبول کیا اور میری ہر بات پر لبیک کہا وہ ایک ہی شخص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، ہر طرح میری خدمت کرتا رہا، مالی، جسمانی، اپنے اہل عیال سے میری مدد کرتا رہا اس کے باوجود اس کے ساتھ ایسی حرکتیں ہوں گی تو تم نجات کیسے پاؤ گے تو عمر بن خطاب نے بڑی شدید معذرت کی ایک دوسرے کے ساتھ گلے ملے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی

ساتھ دیتے رہے اور یہ مانا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بھی اس کے بہت زیادتی کی تھی، کیونکہ وہ اتنے نرم تھے کہ پھر انہیں کے حق میں وکالت کرنے لگے فرماتے ہیں کہ کہیں عمر ہلاک نہ ہو جائے، اتنی کمائی ہوئی محنت کہیں ضائع نہ چلی جائے اتنے مقام پر پہنچا ہوا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال کی نظر نہ ہو جائے اس لیے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حق میں دلائل دینا شروع کر دیئے، اس کے بعد استغفار، بخشش کرنے لگے اور ایک دوسرے کو ملے اور یہ معاملہ ختم ہوا، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا کہ اے لوگوں دنیا میں میرے ساتھ جس نے بھی کوئی نیکی و بھلائی کی اس کا میں نے بدلہ اسے چکا دیا ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے میرے اوپر احسانات اتنے ہیں کہ قیامت کے دن رب ہی اس بدلہ دے گا میں دنیا میں اس کا بدلہ نہیں دے سکا۔

علامہ اقبال نے یہاں سے ایک بات نکالی ہے۔

آں امن الناس بر مولائے ما

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک ایسی شخصیت ہیں کہ ان کے احسانات ان پر ہیں

کہ جو خود رب کا احسان ہیں، میں جب ان چیزوں کو ملا کر دیکھتا ہوں۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا (ال عمران: 164)

ترجمہ: بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک

رسول بھیجا۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میں نے جو تم پر احسان کیا ہے وہ تمہیں اپنا محبوب دے

دیا ہے اور رسول دے دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے بڑا احسان ہیں، وہ

فرما رہے ہیں "امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ ابی بکر"

اپنے مال اپنی صحبت اپنی خدمات کے ذریعے مجھ پر سب سے زیادہ احسان

کرنے والا شخص وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے آقا و مولا پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

آل امن الناس بر مولائے ما

آل کلیم اول سینائے ما

ہمت او کشت ملت را چو ابر

ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

کوئی معاملہ، کوئی موقع، ایسا تاریخ اسلام میں نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے کوئی ابو بکر ہوں یہ ترتیب قرآن نے دی ہے:

ثَانِي اثْنَيْنِ اِذْ هَبَا فِي الْغَارِ (التوبہ: 40)

ترجمہ: صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے۔

یہ جو ثانی اثنین ہے اس کا مطلب ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی دوسرا ہے تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، یہاں تک کہ غار سے لے کر قبر تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

مقام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمادیا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بازو میں بازو ڈالا اور بائیں طرف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بازو میں بازو ڈالا اور مدینہ پاک کے بازار میں نکلے اور فرمایا لوگوں دیکھ لو ہم تینوں میدان محشر میں اس طرح نکلیں گے یہ گنبد خضریٰ کے نیچے جو تین چاند آرام فرما ہیں یہ کوئی رسمی بات نہیں ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور خوابوں کی تعبیر

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے باپ صدیق اکبر تعبیر

رویا کے اتنے بڑے ماہر تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی اپنے خوابوں کی تعبیر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے، یہ مثال اس لیے دی کہ تعبیر خواب کا تعلق علوم نبوت سے ہے۔ قرآن پاک سورہ یوسف کے اندر ہے کہ یوسف علیہ السلام کو یہ علم دیا گیا تھا اور یوسف وہ نبی ہیں کہ جن کے لیے یہ الفاظ آئے ہیں کہ ”صِدِّيقًا نَبِيًّا“ یہ صدیقیت بھی کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ یہ منصب ہے جس طرح نبوت ایک منصب ہے رسالت ایک منصب ہے اس طرح صدیقیت بھی ایک منصب و مقام ہے صدیقیت وہ مقام ہے کہ صدیق جس باؤنڈری پر کھڑا ہے وہاں سے قدم اٹھا کر آگے رکھے تو دائرہ نبوت شروع ہو جاتا ہے اس کے آگے نبوت کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں ہے اور قرآن نے بھی یہی ترتیب بتائی ہے مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء: 69) ترجمہ: یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ کہ نبیوں کے بعد اگر کوئی مقام ہے تو وہ مقام صدیقیت ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری حجرے میں جہاں گنبد خضریٰ ہے میں دیکھتی ہوں کہ چودھویں کا چاند میرے حجرے میں آ گیا ہے پھر ایک اور چاند میرے حجرے میں آ گیا، پھر ایک اور چاند میرے حجرے میں آ گیا، تین چاند باری باری میرے حجرے میں اترتے رہے، میں نے اپنے والد گرامی کو یہ خواب سنایا۔ فرماتی ہیں کہ جب کچھ عرصہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس مسئلہ پر جب گفتگو ہوئی کہ آپ کی تدفین کہاں ہوگئی، یہ بڑی قابل توجہ بات ہے یہ فیصلہ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا صحابہ کرام بیٹھے مشاورت کر رہے ہیں کہ کیا کیا جائے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی اور آپ حدیث بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے آپ نے حدیث بیان فرمائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ کا نبی جہاں وصال فرماتا ہے وہیں اس کا مدفن ہے اس لیے آپ کا وصال حجرہ

عائشہ صدیقہ میں ہوا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین بھی وہیں ہوئی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ والد گرامی نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تیرے حجرے میں پہلا چاند آ گیا ہے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے لوگوں جب میری وفات ہو جائے تو مجھے حجرہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دینا اور اجازت طلب کرنا یہ قابل توجہ بات ہے جو صحابہ کرام کے عقائد و نظریات ہیں۔

حجرہ کے سامنے رکھ کر اجازت طلب کرنا اگر اجازت مل جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملے تو جنت البقیع میں دفن کر دینا تو صحابہ کرام میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ جناب اجازت کس سے لینی ہے دروازہ بند ہے اور اس میں کنڈی لگی رہتی ہے یہ حجرہ اس وقت ایک گھر اور کمرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رہائش گاہ تھا، صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ رہے ہیں وہ صحیح کہ رہے ہیں کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وصال کے بعد بھی اسی طرح اجازت لی جاتی ہے جس طرح ظاہری حیات میں اجازت لی جاتی ہے وہ اس بات کے قائل تھے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

جب وہاں پیش کیا گیا اور صحابہ کرام نے اجازت طلب کی تو آواز آئی کہ

”اوصل الحبیب الی الحبیب“ ترجمہ: حبیب کو حبیب کو ملا دو۔

”ادخلوا الحبیب الی الحبیب“ ترجمہ: دوست کو دوست کو پاس پہنچا دو۔

اس اجازت کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں بلکہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف دفن کیا گیا یہی نقشہ احادیث مبارکہ کی کتب میں بھی موجود ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو مجھ پر کھل گیا کہ دوسرا چاند کونسا ہے چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ فارمولا سمجھا گئے تھے۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور پتہ چلا کہ اب بچنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے آخری وقت قریب ہے تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابن عمر جاؤ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرو کہ اگر وہ اجازت دے دیں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس حجرہ میں دفن کر دینا اور اگر آپ اجازت نہ دیں تو مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی ہوئی تھی وہ سمجھتی تھی کہ تیسرا چاند شاید میں ہی بن جاؤں، ایک میرے شوہر، ایک میرے والد گرامی اور تیسری میری جگہ وہاں بن سکتی تھی، میرا گھر بھی، میری جگہ بھی، لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو دیکھ کر اور ان کی خدمات کو دیکھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو اپنا وزیر فرمایا ہے فرماتی ہیں کہ میری طرف سے اجازت ہے پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وہی بات دوہرائی جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔ کہ ظاہری اجازت تو مل گئی ہے اب اندرونیوں سے اجازت لینا ہے جن کی خدمت میں جانا ہے ان کی اجازت بھی ہے کہ نہیں اس طرح وصیت کی کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر کے اجازت طلب کرنا جب اجازت مل جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں دفن کر دینا، اسی طرح ہوا جب اجازت طلب کی گئی اجازت ہوئی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تھوڑا سا پیچھے دفن کر دیا گیا اس طرح تدفین ہوئی۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو میں سمجھ گئی کہ تیسرا چاند فاروق اعظم ہیں۔ یہ وہ تعلق ہے جس کے بارے حدیث پاک میں آتا ہے جس شخص کی جہاں قبر ہے کہتے ہیں کہ۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اللہ تعالیٰ نے جہاں سے اس کا خمیر اٹھایا ہے وہاں اس کی قبر بنی ہے۔

مجھے ایک بات ذوق یاد آرہی ہے کہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی علیہ الرحمہ کا خمیر بھی جامعہ نعیمیہ سے اٹھایا گیا ہے، جامعہ نعیمیہ میں ہی ان کی تدفین ہوئی۔ خمیر جہاں سے اٹھایا جائے وہی اس مٹی میں اس نے لوٹنا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی علیہ الرحمہ نے بات کو مکمل کر دیا، وہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تدفین ایک ہی حجرے سے ایک ہی چھت کے نیچے وہ اس بات کی دلیل ہے، کہ رب نے جس مٹی سے اپنے محبوب کا خمیر اٹھایا تھا، اسی مٹی سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خمیر اٹھایا تھا، اس سے بڑی بات ان کی فضلیت میں ممکن نہیں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا تعلق کہ یار غار بھی ہیں اور یار مزار بھی ہیں، پھر اسی طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر نقشہ بنا کے دیکھا یا کہ اسی طرح ہم اپنے مزاروں سے اٹھ کر میدان محشر کی طرف جائیں گے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قدرتی طور پر جیسا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، یہ اہتمام پہلے ہی تھا کہ ان کے خمیر تک ان کے خمیر سے اٹھے ہیں۔

ان کو صوفیہ کرام کی زبان میں طینت اور اصالت کہتے ہیں ایسا تعلق کہ جہاں پر اس ظاہری اکتساب ختم ہو جاتے ہیں جو آپ اپنی کوشش سے نہیں بنا سکتے۔

اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ اختارنی واختار لی اصحابا اللہ نے مجھے اپنے لیے چنا اور میرے لیے میرے صحابہ کرام کو چنا ہے۔ اسی لیے قرآن میں ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۗ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيلِ ۗ (الفتح: 29)

ترجمہ: یہ ان کی صفت توریت میں ہے، اور ان کی صفت انجیل میں۔

اسی لیے جو علماء تورات وانجیل ہیں وہ انہیں پہنچانتے تھے۔ ایک سفر میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ آسمان سے چودھویں کا چاند اتر کے میری گود میں آ گیا ہے میں جب وہاں ایک تورات کے عالم سے اس کی تعبیر پوچھی تو اس نے مجھے جواب دیا کہ تم حرم کے رہنے والے ہو نہیں، میں نے کہا جی ہاں، فرمایا تم کس قبیلے سے ہو کہا، میں نے کہا کہ بنو تیم قبیلے سے ہو، اس کو بعض کتابوں میں بنو تمیم لکھتے اور پڑھتے ہیں یہ غلط ہے بنو تمیم تو وہ قبیلہ ہے جو ذوالخویصرہ کا تھا، جو محمد بن عبد الوہاب نجدی کا قبیلہ ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قبیلہ تیم سے تھے، یہ ساری نشانیاں پوچھ کے اس راہب نے بشارت دی کہ تمہارے شہر میں خاتم النبیین کا ظہور ہونے والا ہے اور تم وہ ہو جو ان پر ایمان لاؤ گے، اس کے وزیر اور خلیفہ بنو گے پہلے یہ علامت طے تھی، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اپنے گھٹنے سے کپڑا ہٹا کر دکھاؤ میں حیران ہو گیا کہ یہ کہہ رہا ہے جب کپڑا اٹھایا تو وہاں ایک نشان سا تھا جس کی طرف میں نے کبھی خیال نہیں کیا، اس نے کہا اپنے پہلو سے کپڑا اٹھاؤ، پہلو سے کپڑا اٹھایا تو وہاں بھی ایک گول برص جیسا نشان تھا۔

تورات وانجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نشانیاں

قرآن پاک میں فرمایا:

ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ (الفتح: 29)

ترجمہ: یہ ان کی صفت تورات میں ہے، اور ان کی صفت انجیل میں۔

یہ صحابہ کرام جو ہیں ان کی نشانیاں بھی تورات و انجیل میں موجود ہیں، فرمایا وہ یہ دیکھتے تھے کہ وہ نشانیاں پوری ہیں کہ نہیں جو انہوں نے پڑھ رکھی تھی وہ دیکھ کر فرمانے لگے وہ تم ہی ہو۔ اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو عیسائیوں نے بیت المقدس کی فتح کا معاملہ تھا کہ چابیاں دینے کے لیے وہ بھی یہ دیکھنے کے لیے بلوایا تھا، کیونکہ انہوں نے وہ نشانیاں پڑھیں ہوئی تھی کہ جو بیت المقدس کا فاتح ہوگا، جب وہ آئے گا تو غلام سوار ہوگا اور اس نے مہار پکڑی ہوگی اور اس کے کپڑوں پر سترا بہتر پیوند لگے ہوں گے اس کو دیکھنے کے لیے انہوں نے بلوایا تھا۔ کہ اگر امیر المؤمنین خود آ جائیں اور بغیر جنگ کے ہی ہم چابیاں انہیں سونپ دیں گے یہ قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لائے ہیں۔ ”ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ“ (الفتح: 29) ان کی نشانیاں جو ہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں تورات و انجیل میں موجود تھی تو آپ کے خواص صحابہ کرام و خلفاء راشدین ان کی بھی نشانیاں تورات و انجیل میں موجود تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کئی مواقع پر مختلف چیزوں کا اظہار کیا، ایک خاص کیفیت جو سیرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں موجود تھی وہ یہ ہے کہ آپ نے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا بہت سارے تحفے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو، حضرت ابوفاہا کو پیش کیا حضرت بی بی زبیرہ کو پیش کیا یہ سارے غلام تھے اور اپنے آقاؤں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے قیمت ادا کر کے اور خرید کر بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا یہ جو انفاق فی سبیل اللہ تھا ایک دن اللہ کی راہ میں اپنا سارا سامان پیش کر کے گھر کی ایک ایک چیز پیش کر کے اور خود ایک ٹاٹ کا بوریا پہن کر اور بٹن کی جگہ کانٹوں کے تنکے لگا کر بیٹھے ہوئے

ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی ہے کہ جبرائیل امین آئے وہ اس حال میں آئے کہ انہوں نے بھی وہی لباس پہن رکھا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہن رکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین کو اس حلیہ میں دیکھ کر حیرت سے پوچھا اے جبرائیل میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں اس سے پہلے میں نے تجھے اس حلیہ اور وضع قطع میں نہیں دیکھا تو جبرائیل امین نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج آپ کی مجلس میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہوا ہے کہ اس کی وضع قطع کو دیکھ کر صرف جبرائیل نے ہی نہیں بلکہ سارے فرشتوں نے یہ لباس پہن رکھا ہے، رب نے حکم دیا ہے کہ آج سارے ابو بکر صدیق جیسے بن جاؤ اور میں جو آیا ہوں کوئی وحی لے کر نہیں آیا بلکہ رب کا خاص سلام و پیغام لے کر آیا ہوں اور آپ کے ذریعے اس بندے تک یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ جس طرح کا آج میں نے لباس پہنا ہوا ہے اور عرض کرتے ہیں کہ رب العالمین نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سلام بھیجا ہے اور ساتھ میرے صدیق سے پوچھو کہ کیا وہ اس حال میں مجھ سے راضی ہے۔ مکہ میں سب سے زیادہ امیر آدمی اور مکہ میں سب سے زیادہ ساتetas رکھنے والا، عالی نسب اور عالی حسب خوش وضع اور خوش لباس اور بزنس مین اور بہت بڑا تاجروہ آج اس حال میں بیٹھا ہوا ہے کہ تن پہ جو معمول کا لباس ہے وہ بھی نہیں رہا وہ راہ خدا میں دے دیا ہے اور ٹاٹ پہن کے بیٹھا ہے اور بٹنوں کی جگہ پر کانٹے ٹانگے ہوئے ہیں رب کو اس کی یہ ادا اتنی بھائی ہے کہ سب فرشتوں کو یہی یونین فارم پہنا دیا ہے۔ جب یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہنچائے کہ اے صدیق تمہارا رب تمہیں سلام کر رہا ہے اور ساتھ تم سے یہ پوچھ رہا ہے کہ کیا تم اس حال میں مجھ سے راضی ہو۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو صوفیہ کرام پر طاری ہوتی ہے

اور وجدانی کیفیت میں اٹھ کر ایک جملہ بولنے لگے ”اناعن رب راض، اناعن رب راض، اناعن رب راض“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور میری مجال کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں، میں اس حال میں بھی اپنے رب سے راضی ہوں، میں اس حال میں بھی اپنے رب سے راضی ہوں، میں اس حال میں بھی اپنے رب سے راضی ہوں، اس وقت صحابہ کرام نے دیکھ لیا اور یہاں سے علامہ اقبال کو یہ شعر مل گیا:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کہ ساری دنیا رب کی رضا ڈھونڈ رہی ہے اور ایک بندہ ایسا بھی ہے کہ جس کی رب رضا پوچھ رہا ہے کہ تو مجھ سے راضی ہے کہ نہیں اس حال میں، اس وقت صحابہ کرام پر کھل گیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کہ میں جو ہمیشہ نیکی کے معاملے میں مقابلے پر رہتا تھا کہ آگے بڑھنا ہے اس وقت کھل گیا کہ اے خطاب کے بیٹے تو کبھی بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں نکل سکتا وہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں نے مقابلہ کر نیکی بجائے ان کی پیروی کرنا شروع کر دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا جملہ ہے جیسے ایک مرید اپنے پیر کی شان میں کہتا ہے ”یا لیتنی کنت شعر صدر ابی بکر“ اے کاش میں ابو بکر صدیق کے سینے کا ایک بال ہوتا اتنی محبت ہو گئی، اتنا احترام ہو گیا کہ مقابلے کا خیال دل سے نکال دیا اور ان کی پیروی کرنا شروع کر دی اور صحابہ کرام نے ان کی پیروی کرنا شروع کر دی، گویا سارے صحابہ کرام کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک رول ماڈل بن گئے تھے، اور یہ ایک عملاً کیفیت تھی صحابہ کرام دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرنی ہے یا کہنی

ہے، کوئی معاملہ ہے وہ دیکھتے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیا کر رہے ہیں۔
جامع ترمذی میں ہے کہ صحابہ کرام جب مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار
میں بیٹھتے تھے، کسی کی مجال نہیں کہ وہ ڈائریکٹ دیکھ لیں، سارے نگاہیں جھکا کر بیٹھتے
تھے اور صرف ہستیاں ایسی تھیں جو نگاہ اٹھا کر دیکھتی تھیں وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے یہ نظر اٹھا کر دیکھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی طرف
دیکھتے اور مسکراتے اور یہ بھی مسکراتے تھے، گویا کہ سب صحابہ کرام کی یہ دونوں
نمائندگی کر رہے ہوتے تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے احسانات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت اور شکرانہ
میری امت پر واجب ہے یہ تو ویسے بھی انڈرسٹنڈ ہے کہ جس کے احسانات ہمارے
آقا پر ہوں تو ہم تو ویسے ہی دب گئے، پوری امت ان کے احسانات کی مقروض ہے
وہ قیامت تک آنے والا ہر امتی ان کے احسانات کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہے، اس
لیے اپنے محسن کو یاد کرنا اور یاد رکھنا، ان کے احسانات کا اعتراف کرنا یہ عین سنت بھی
ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ لہ
جو بندوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ رب کا بھی شکر یہ ادا نہیں کرتا۔ اور ظاہر بات
ہے کہ جب ہمارے آقا اس کا بدلہ نہیں دے سکے تو ہم کیسے دیں گے۔ صرف کم از کم
ان کے احسانات کو یاد کر لیں، ان کے احسانات کا اعتراف کر لیں اس لیے فرمایا کہ جو
لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ رب کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا، شکر کا پہلا فلسفہ یہ ہے کہ جو
تمہارا محسن ہے، تمہارا باب فیض ہے پہلے اس کا شکر یہ ادا کرو تب رب اس شکرے کو
مانتا ہے۔ یعنی پہلے بندے کو مانو کہ جس کو اللہ نے ذریعہ و سبب بنایا ہے تب رب شکر

۱- ترمذی: ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک: 459/2 رقم: 1815

مانے گا ورنہ تم رب کی بارگاہ میں ناشکرے ہی رہو گے، یہی وجہ ہے کہ جو ہم ان کی یاد کر کے ان کے فیض سے برکات حاصل کرتے ہیں۔

اس لیے شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نام نیک - رفتگان ضائع مکن

تا بماند نام تو در روزگار

جو تیرے اچھے اور نیک بندے ہیں انہیں یاد رکھ، پھر تیرے جانے کے بعد لوگ تجھے یاد رکھیں گے۔

آخر میں خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے سے کچھ ذکر ہو جائے، ان کا نام بھی لے لیں تو وہ ہر لحاظ سے بہت بڑی بات ہے، یہ ایک ناقابل بیان ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تصویر بنایا ہو، خاتون جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تصویر تھی۔ عورت ہونے کے باوجود قد و قامت، چال ڈھال، چہرہ مہرہ، وضع قطع، لہجہ، گفتگو، سیرت و صورت سب کچھ سانچہ رسالت میں ڈھلا ہوا تھا، یہ اس تعلق کی انتہا ہے، یہ کتابوں میں مذکور ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات صرف وصال رسول تھا، کوئی دوسری وجہ نہ تھی، کوئی کسی طرح شہید ہوا، کوئی کسی طرح شہید ہوا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات صرف فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، کام لینا تھا اس لیے دو ڈھائی سال خلافت مل گئی، لیکن خاتون جنت کا یہ حال ہے کہ صرف چھ ماہ نہیں نکالے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمادیا تھا کہ سب سے پہلے تم نے ہی مجھے ملنا ہے، اتنا تعلق کی حد تھی کہ وہ ناقابل برداشت تھا، حالانکہ اس وقت سیدہ خاتون جنت رضی

اللہ عنہا کی عمر مبارکہ کوئی چوبیس یا پچیس سال تھی، لیکن چھ ماہ کا فراق بھی ناقابل برداشت تھا، جب خاتون جنت کا وصال ہوا تو خلیفہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے جب وفات کی اطلاع علی رضی اللہ عنہ کو ملی وہ پہنچے اور بہت روئے، معاملہ یہ ہوا کہ جنازہ کون پڑھائے گا، علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ خلیفہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہیں لہذا جنازہ جناب سیدنا صدیق اکبر ہی پڑھائیں گے، لہذا خاتون جنت کا جنازہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھایا۔ لیکن بعض لوگ بڑے پراپیگنڈے کرتے ہیں۔ خاتون جنت وہ ہستی ہیں کہ روحانی طور پر اس پر تمام صوفیہ کرام کا اجماع ہے کہ صرف ایک عورت ہونے کی وجہ سے اور کچھ آداب کی وجہ سے اتنا چرچا نہیں ہے ورنہ صوفیہ کرام کے مشاہدات سے یہ ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو روحانی منصب قطبیت ہے۔

سلطان العارفین حضرت باہوعلیہ الرحمہ کا فرمان:

سلطان العارفین حضرت باہوعلیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو منصب سلطان الفقراء ہے ان کا روحانی مشاہدہ بھی ہے کہ وہ خاتون جنت کو حاصل ہے اور سارے صحابہ کرام کو یہ بات معلوم تھی اس لیے جب بھی جو بھی کوئی خصوصی گزارش کرنی ہوتی، چونکہ ڈائریکٹ تو بات کرنے کی جرات نہیں تھی، کیونکہ کئی مہینے ایک بات دل میں ہوتی کہ کب اور کس وقت کوئی موقع محل میسر آئے اور وہ عرض کریں۔ لیکن جب کوئی خاص اور ضروری بات کرنی ہوتی تو سارے صحابہ کرام خاتون جنت کو وسیلہ بناتے تھے۔ سب صحابہ کرام کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ جو درخواست اس ذریعہ سے جائے گی وہ کبھی رد نہیں ہوگی، اس لیے اس روایت کو صوفیہ کرام نے لیا ہے اور یہ دستور بن گیا کہ جو بھی بات باطنی طور پر خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے وسیلے سے جائے گی وہ ہمیشہ قبول ہوگی۔ یہ بات احمد پور شرقیہ کے گاؤں کی

کچی مسجد کا خطیب منبر پر بیان کر رہا تھا کہ لوگوں کے مجمع میں اس زمانے کا ایک قدرت اللہ شہاب ڈپٹی کمشنر تھے، وہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کیا کہ رہیں ہیں کہ تم اگر کوئی درخواست پیش کرنا چاہو تو خاتون جنت کا وسیلہ پیش کیا کرو تو وہ کبھی رد نہیں ہو گئی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے وہیں بیٹھے ایک درخواست تیار کی وہ درخواست یہ تھی کہ اگر کسی سلسلہ اویسہ نام کی چیز کا وجود دنیا میں ہے تو مجھے اس کا فیض پہنچے اور یہ درخواست میں خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے وسیلہ سے پیش کر رہا ہوں، بس بات کر کے بھول گئے، کہتے ہیں دو یا تین ماہ بعد مجھے میری بھابی کا فون آیا وہ کہتی ہیں کہ آپ نے کوئی درخواست دی ہوئی ہے، دیکھیے خاتون کے ذریعے، جی کون سی درخواست، جناب سلسلہ اویسہ کے نام کی، کہتے ہیں کہ میں اچھل گیا اور لرز گیا کہ یہ کیا بات کر رہی ہے یہ تو کسی کو بھی خبر نہیں ہے وہ کہتی کہ ایک دن خود خاتون جنت میرے خواب میں تشریف لائیں ہیں اور کہا ہے کہ تیرے فلاں عزیز نے درخواست دی ہوئی ہے اس کو اتنا بتا دینا کہ تیری درخواست قبول ہے اور آگے کام چل رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں الرٹ ہو گیا پھر انہوں نے پوری تفصیل اپنے شہاب نامے میں لکھی ہے کہ کس طرح وہ کام شروع ہوا اور کس طرح سلسلہ اویسہ کا فیض مجھ تک پہنچا، یہ وہ ہستی ہے کہ جن کا ظاہر و باطن میں اتنا مقام ہے کہ جب بڑے بڑے غوث اور قطب کسی بڑی مشکل میں پھنس جائیں تو پھر اس بارگاہ میں رسائی حاصل کرتے ہیں اور درخواستیں پیش کرتے ہیں اور اللہ کرم نوازی فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس حاضری کو قبول فرمائے اور بارگاہ صدیقیت میں بھی اور

بارگاہ خاتون جنت میں بھی قبول فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر: 10

تین چیزیں جن سے مجھے محبت ہے

تین چیزیں جن سے مجھے محبت ہے

أُحِبُّدُ لِلَّهِ مُحَمَّدًا وَنُصِّبِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ

حدثني الشيخ الامام ابو عبدالرحمن النسائي قال اخبرنا

الحسين بن عيسى القوسي قال حدثنا عفان بن مسلم قال

حدثنا سلام ابو المنذر عن ثابت عن انس قال قال رسول الله

صلى الله عليه وسلم حُبِّبَ إِلَى مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَ الطَّيِّبُ

وَجُعِلَتْ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

ترجمہ: شیخ امام ابو عبدالرحمن النسائی فرماتے ہیں: کہ حسین بن عیسیٰ القوسی نے

ہمیں خبر دی کہ عفان بن مسلم نے فرمایا اور ان سے سلام ابو المنذر نے اور ان سے

ثابت نے اور ان سے انس نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ

مجھ میں تین چیزوں کی محبت ڈالی گئی۔ خواتین (ازواج مطہرات)، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔“

مذکورہ بالا حدیث اپنے موضوع اور مضمون کے اعتبار سے نہایت منفرد اور جمالیات سے بھرپور ہے۔ تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو 2 بار بیان فرمایا ہے۔ اس کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں تین سے زائد بار بیان کیا ہے اور سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے اور بھی بہت جلیل القدر محدثین نے بیان کیا ہے۔ امام طبرانی نے امام بغوی نے بھی بیان کیا لیکن سنن نسائی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جو امام بخاری اور امام نسائی کے بھی استاد ہیں، ان کے بیان کے بعد کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں رہتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو تین چیزیں میرے لئے محبوب کی ہیں، سب سے پہلے میری ازواج مطہرات ہیں۔

”حُبِّبَ“ کی اصل بنیاد اور معنی ہے ”بیچ“ یعنی جو چیز بودی جائے اور وہ جڑ پکڑ لے۔ گویا یہ محبتیں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک میں بودی گئیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جیسا بیچ ہوگا جیسی زمین ہوگی اور جیسا بونے والا ہوگا فصل کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ گویا کہ یہ سب چیزیں اچھے پھل کیلئے لازم ہیں، اگر بیچ سڑ گیا ہوگا تو فصل نہ ہوگی اگر زمین سیم زدہ ہوگی تو بھی ایسا ہی ہوگا، اگر بیچ بھی عمدہ ہو اور زمین بھی زرخیز لیکن بونے والا اناڑی ہو تو ایسی صورت میں بھی سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اس مثال کو آسانی سے سمجھنے کیلئے سلطان باہو کا ایک مصرعہ سنیں۔

سلطان العارفین نے فرمایا:

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو

یہ زمین قلب کی ہے بیچ تو حید اور محبت الہیہ کا ہے اور بونے والا مرشد کامل ہے۔ اس سے پہلے شاید کبھی اس طرح سمجھ میں نہ آیا ہو، غور کیجئے کہ یہ محبت کا بیچ حضور کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مبارکہ کا جو جمالیاتی پہلو ہے وہ اس حدیث سے ابھر کے سامنے آتا ہے کہ جو فرد مبلغ ہو پیغمبر ہو جس نے مسند ارشاد پہ فائز ہونا ہو، اس کی طبیعت کیسی ہونی چاہئے۔ اس کے طبی میلانات و رجحانات غیر فطری نہیں فطری ہونے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ اس حدیث کے طفیل ہمیں توفیق دے کہ ہم سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے ان پہلوؤں کو سمجھ سکیں کیونکہ ان چیزوں کو پا کر ہی انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار بن سکتا ہے اور اس دور جہالت و ظلمات میں اس پیغام محبت کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حضور کی ازواج مطہرات کی تعداد زیادہ ہونے میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں، اس سے حضور کی خلوت کے معمولات بھی لوگوں کیلئے نمونہ بن سکے اور زمانہ جاہلیت میں چونکہ کثرت ازدواج ایک عام معمول تھا اور لوگ ایک دم سے اس سے ٹل نہ سکتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک حد مقرر فرمادی، پھر دیکھئے کہ پچاس فیصد دین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سکھایا گیا اور خواتین کے جتنے معاشی و معاشرتی حقوق و فرائض ہیں ان کی تشریح وہ ہی فرماتی ہیں ورنہ امت دین کے ایک بہت بڑے حصے سے محروم رہ جاتی.....

اسی طرح طہارت اور غسل کے مسائل بھی انہی سے پتہ چلے۔

حیاء بھی انبیاء کی سنت ہے تو صحابہ کرام کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 ایک پاکباز باحیاء باکرہ دوشیزہ سے بھی زیادہ حیادار تھے تو جس شخص کی طبیعت میں
 اس قدر حیاء ہو ان کیلئے یہ اہتمام کیا گیا کہ خواتین صحابیات ام المؤمنین عائشہ صدیقہ
 سے دین سیکھ لیتی تھیں۔ پھر حضور کا اپنی ازواج سے طرز معاشرت بھی ایک نمونہ ہے،
 پھر فرمایا ”خيارٌ کم خيارٍ لاهلہ“ ترجمہ: تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل
 و عیال سے اچھا سلوک کرے۔ امام شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے کہ پوری کائنات
 میں حضور جیسا اکمل و اعلیٰ مزاج دنیا میں کسی کا نہیں آیا اور جو شدید محبت اللہ تعالیٰ سے
 تھی اس کی بھی انتہا نہیں اور حرم میں نوبویاں ہیں، ان سے بھی محبت شدید ہے اور کبھی
 ساری رات ایک آیت کی تکرار میں گزر جاتی ہے۔ یہ اعتدال صرف حضور لا سکتے تھے
 کہ حقوق اللہ بھی پورے ہوں اور حقوق العباد سے بھی صرف نظر نہ ہو۔ آپ کی عظمت
 و پاکیزگی کی سب سے بڑی گواہ آپ کی ازواج ہیں۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضور ہمارے درمیان بیٹھے بے حد گھل مل کر گفتگو فرما
 رہے ہوتے لیکن جب اذان ہوتی تو ہمارے درمیان سے ایسے اٹھ جاتے جیسے ہمیں
 جانتے ہی نہ ہوں۔

دوسری چیز آپ کی محبت کی فرمایا ”الطیب“ یعنی ”خوشبو“ حالانکہ حضور کی اپنی
 ذاتی خوشبو اس قدر تھی کہ صحابہ کرام آپ کو تلاش کرنے نکلتے تو کسی سے پوچھتے نہ تھے
 بلکہ خوشبو کے تعاقب میں آپ کو تلاش کر لیتے۔

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک ترغبار

ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہزور کی ہے

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں)

اس کے باوجود فرمایا کہ ”خوشبو“ کی محبت فطری طور پر میرے دل میں ڈالی گئی ہے، پھر فرمایا گیا ہے کہ

ارْبَعُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ التَّعَطُّرُ، الْحَيَاءُ، وَالنِّكَاحُ، وَالسُّوَاكُ
ترجمہ: چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں۔ خوشبو لگانا، حیا رکھنا، نکاح کرنا اور مسواک کرنا، ان سب خصائص کی خوبیاں بے شمار ہیں لیکن ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان سے دوسروں کو زیادہ فائدہ ملتا ہے، اگر آپ خوشبو لگاتے ہیں تو آپ کے ساتھ والے کو زیادہ فرحت ملتی ہے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پسینہ کثرت سے آتا تھا اور اس قدر معطر ہوتا تھا کہ خوشبو کی جگہ استعمال ہو سکتا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ ہمارے گھر دوپہر میں قیلولہ فرما رہے تھے اور پیشانی مبارک پر پسینہ چمک رہا تھا تو میری والدہ ام سلیم ایک خالی شیشی لائیں اور اس میں وہ پسینہ بھرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو پوچھا اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو تو وہ عرض کرنے لگیں حضور میرے پاس خوشبو نہیں ہے، میں خوشبو جمع کر رہی ہوں۔

باغ جنت میں بھی ایسی خوشبو نہیں

جیسی خوشبو نبی کے پسینے میں ہے

ملنے کو جو مل جائے میرے گل کا پسینہ

مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

پھر فرمایا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی ہے یا درود میں رکھی ہے۔

صلوٰۃ کے معنی نماز کے بھی ہیں اور درود کے بھی۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: 56)

امام سیوطی نے یہاں پر دونوں معنی لئے ہیں نماز بھی اور درود بھی۔ نماز سے آپ کی محبت کا بیان ازواج سے محبت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اذان کی آواز آتی تو حضور ہمارے درمیان سے ایسے اٹھتے جیسے ہمیں جانتے نہ ہوں۔

امام ابن حبان اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شدید پیاسا شخص پانی سے سیراب ہو سکتا ہے اور شدید بھوکا کھانے سے سیر ہو سکتا ہے لیکن میرا جی نماز سے نہیں بھرتا۔

دوسری طرف درود پاک ہے اس کو بھی حضور نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے، اس میں ہر درود شامل ہے جو بندے بھیجتے ہیں جو فرشتے بھیجتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔

اس حدیث کا پورا منظر کچھ یوں ہے کہ جب آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں۔ میری ازواج، خوشبو اور نماز و درود اس وقت آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان

آپ نے صحابہ کرام میں حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ کو کون سی تین چیزیں پسند ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے النظر عليك، وانفاق مالي عليك، والصلوة والسلام عليك۔

آپ کے چہرہ مبارک کی زیارت۔ اپنا مال آپ پر لٹانا اور آپ پر درود و سلام بھیجنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا۔

أنا حبيب الى من الدنيا ثلاث، الامر بالمعروف والنهي عن المنكر، واقامة حدود الله.

مجھے دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں نیکی کا حکم کرنا، برائی سے منع کرنا اور اللہ کے دین اور احکام شرعیہ کو نافذ کرنا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ تین چیزیں سب سے زیادہ پسند ہیں۔

اطعام الطعام، و افشاء السلام، والصلوة بالليل والناس نيام.

مجھے بھوکوں کو کھانا کھلانا، سلام کو عام کرنا اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے دنیا میں یہ تین چیزیں پسند ہیں۔

الضرب بالسيف، والصوم بالصيف، وقرى الضيف
تلوار سے جہاد اور شدید گرمی کے روزے اور مہمان نوازی۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام کا فرمان

حضرت جبریل امین جب نازل ہوئے اور یوں کہا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں سب سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ النزول على النبیین و تبليغ الرسالة

للمرسلين، والحمد لله رب العالمين۔

انبیاء کی طرف جانا اور رسولوں کی طرف اللہ کا پیغام پہنچانا اور تمام جہانوں کے

پروردگار کی حمد بجالانا۔

حدیث قدسی

جب حضرت جبریل امین آسمانوں کی طرف پرواز کر گئے اور پھر فوراً واپس

لوٹے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے بھی اپنے تین قسم کے بندے سب سے زیادہ

محبوب ہیں۔

لسان ذاکر، قلب شاکر و جسم، علی البلاء صابر

ذکر الہی کرنے والی زبان، شاکر دل والا انسان اور مصیبت پر صبر کرنے والی جان۔

حضرت میکائیل علیہ السلام کا فرمان

پھر میکائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے کہا "انا حبیب الی من

الدنیا ثلاث "شباب... نائب، و قلب خاشع، و عین باکیۃ"

مجھے دنیا میں تین چیزیں بے حد پسند ہیں "توبہ کرنے والا جوان اور گڑ گڑانے

والادل اور رونے والی آنکھ۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان:

جب یہ روایت حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا:

"میری دنیا کی محبوب ترین چیزیں یہ ہیں۔

ترك الترفع و تعالی، و قلب من حب الدنيا خالی، و تهجد

بالعلم فی الطول اللیالی۔"

”بڑائی اور بزرگی کا ترک، محبت دنیا سے خالی دل اور لمبی راتوں میں علمی

مشغولیت۔“

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب اس سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنے جذبات کا

اظہار یوں کیا۔

دنیا میں میری محبوب ترین تین چیزیں یہ ہیں۔

ہجاء تربة سيد المرسلين، واحياء علوم الدين والافتاء

بالخلفاء الراشدين

روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری اور علوم دینیہ کی مشہوری اور خلفاء

راشدین کی پیروی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر آگاہ ہو کر فرمایا کہ دنیا میں

مجھے جو تین چیزیں بے حد پسند ہیں وہ یہ ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا فرمان

ترك التكلف، وعشرة الخلق بالتلطف، والافتاء بطريق

اهل تصوف۔

تکلف سے بچنا، مخلوق خدا سے شفقت سے پیش آنا اور اہل تصوف کی راہ پر

چلنا۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا فرمان

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر آگاہ ہو کر فرمایا کہ مجھے دنیا

میں یہ تین چیزیں محبوب ہیں۔

عطاء من غیر منة، ونفس مطمئنة والاتباع للسنة۔
 احسان جتائے بغیر عطاء کرنا اور نفس مطمئنة اور راہ سنت پہ چلنا۔
 اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا
 فرمائے۔

آمین!!

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!
 والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

”ائمہ حدیث کا فرمان“

جس گھر میں ترمذی شریف ہو، گویا
 وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کلام فرما
 رہے ہیں۔

(بستان المحدثین)

نصیحت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے
اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کی، فرزند
علماء کی صحبت میں خود بولنے سے
زیادہ سیکھنے کی کوشش کرنا، حسن سکوت
کی طرح حسن سماعت بھی سیکھنا
چاہیے، کسی کی بات کبھی نہ کاٹنا،
چاہے کتنی دیر بولتا رہے۔

درس حدیث نمبر: 11

قیامِ تعظیمی

قیامِ تعظیمی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُحَمَّدًا وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، اَمَّا بَعْدُ!
فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٥٦﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرٰهِيْمَ
وَ عَلَى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ۔

حدّثنا ابو الوليد، حدّثنا شعبۂ، عن سعد بن ابراهيم، عن
ابی امامۃ بن سهل بن حنیف، عن ابی سعید ان اهل قریظۃ نزلوا
على حکم سعد، فارسل النبی ﷺ الیہ فجا، فقال: "قوموا الی سید
کم او قال: خیر کم" فقعد عند النبی ﷺ فقال: "هو لاء نزلوا علی
حکمک قال: فانی احکم ان تقتل مقاتلتهم و تسبی ذرارئهم
"فقال: لقد حکبت بما حکم به الیک ل

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بنو قریظہ کے یہودی حضرت سعد
کے حکم پر راضی ہو کر اترے سعد ہمارے حق میں جو تجویز کرے سو ہم کو قبول ہے،

۱- بخاری: کتاب الاستئذان، باب قول النبی ﷺ قوموا الی سیدکم: 926/2

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو بلا بھیجا (مدینے سے سعد آئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو اپنے سردار کی طرف یا یوں فرمایا اپنے سے بہتر کی طرف، سو سعد حضور کے پاس بیٹھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد یہ یہودی آپ کی تجویز پر راضی ہو کر اترے ہیں تو سعد نے فرمایا کہ میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کیے جائیں اور ان کی عورتیں اور لڑکے قتل کیے جائیں (لونڈی اور غلام بنائے جائیں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے سعد) تو نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

تمہید:

پیش نظر حدیث شریف آنے والے کے احترام میں برائے استقبال کھڑے ہونے یعنی قیام تعظیمی سے متعلق ہے۔ کسی آنے والے کے لیے کھڑا ہونا، اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا، اس کا حکم قرآن و سنت میں شریعت میں کیا ہے۔ اس سلسلے میں امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ کی الجامع الصحیح، کا متن پیش کیا جا رہا ہے، امام بخاری علیہ الرحمہ تقریباً اس حدیث کو پانچ مرتبہ لائے ہیں، یہ متفق علیہ ہے صحیحین میں جب کوئی حدیث آئے تو اس کو متفق علیہ کہتے ہیں، یعنی فنی اور اسنادی طور پر ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے، امام ابی داؤد اپنی سنن کے میں اور دیگر ائمہ حدیث بھی اس کو لائے ہیں، اس حکم کے متعلق دیگر ارشادات، احادیث مبارکہ کو بھی ائمہ حدیث نے ذکر کیا ہے، اس کے بالکل متوازی ایسی حدیث و روایات موجود ہیں جن کو پڑھ اور سن کے لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی آنے والے کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

ان روایات پر بحث ہوگی مگر آخر میں پہلے جو اصل مدعا اور متن ہے اس کو سمجھ لیں، امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ بنی قریظہ کے ساتھ ایک جنگ ہوئی تھی جو لوگ جنگ کے بعد قید میں آئے، جنگ تو مسلمانوں نے جیت لی بنو قریظہ کو شکست ہوئی ان کے ساتھ ایک معاندہ ہوا

چونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، کا ان کے ساتھ ایک تعلق تھا ان کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنے اور ان کے درمیان حکم مقرر کیا تاکہ زیادتی نہ ہو یہ ایک ایسے شخص تھے جو دونوں کے لیے قابل قبول تھے، بنو قریظہ کے قبیلے کے سردار تھے لیکن مسلمان تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، جو کہ بڑے جلیل القدر صحابی رسول تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے وقت فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، کی موت پر اللہ کا عرش بھی ہل گیا ہے، ان کو حکم و ثالث مقرر فرمایا گیا، جب بنو قریظہ ایک جرگہ میں پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ سعد بن معاذ کو بلاؤ یعنی یہ فیصلہ کر دیں یہ اس کی ثالثی پر مطمئن ہو جائیں گئے جب پیغام پہنچا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک سواری پر آ رہے تھے غالباً گدھے یا خچر پر سوار تھے اس وقت گدھے کی سواری کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا وہ بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ آ رہے تھے کوئی پروٹوکول نہیں تھا جیسے آج کل سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے لیے ہوتا ہے۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم جن کے لیے رب کائنات نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء: 65)

ترجمہ: یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو علی الاطلاق اپنا حاکم و

ثالث نہ مان لیں۔

انہوں نے جس کو حکم و ثالث اور جج بنایا ہے وہ بڑی شان کے آدمی ہیں جب وہ

وہاں پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھ کر فرمایا: "قوموا الی سیدکم"

اے مہاجرین و انصار اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ" او قال خیرکم"

دونوں الفاظ حدیث میں موجود ہیں اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ یا اپنے سے

بہتر کے لیے کھڑے ہو جاؤ، کئی لوگ جن کے لیے "خیرکم" فرمایا ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

خیر کم من تعلم القرآن وعلیه

ترجمہ: تم میں بہتر وہ جو قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے۔ ۱

سیادت علمی کو سیادت نبی پر فوقیت حاصل ہے:

یہاں علی الاطلاق فرمادیا کہ سعد بن معاذ جو آ رہا ہے یہ تمہارا سردار ہے، یہ نکتہ بڑا غور طلب ہے کہ سیادت صرف نسب سے نہیں ہوتی، یہ نہیں کہ یہ شاہ صاحب ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ یہ سادات کی لڑی سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو بڑا عقل مند تھا حکم و ثالث مقرر فرمایا، اس کو علی الاطلاق سید فرمایا، اپنے سردار اور سید کے لیے کھڑے ہو جاؤ لہذا جو بزرگ ہوں وہ سید نہ بھی ہوں۔ تو ان کو شاہ صاحب کہہ سکتے ہیں، مثلاً شاہ احمد رضا خاں، شاہ اور خان اس کا مطلب یہ ہوا کہ خان کے پاس بھی علم و تقویٰ آ جائے تو وہ بھی شاہ ہو جاتا ہے، ائمہ اور شارحین حدیث نے یہ نکتہ لکھا کہ سیادت صرف نبی نہیں ہوتی، یہاں ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ سیادت علمی کو سیادت نبی پر فوقیت حاصل ہے یعنی ایک غیر سید عالم ہو اور ایک سید غیر عالم ہو تو دونوں میں سے فضیلت عالم کو ہے اس طرح ایک نوجوان عالم ہو اور ایک بوڑھا بزرگ غیر عالم ہو تو فضیلت از روئے شریعت نوجوان عالم کو حاصل ہے۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بزرگی بعقل است نہ بسال

تو نگری بہ ہنر است نہ بمال

ترجمہ: حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ بزرگی کا تعلق عقل سے ہے نہ

۱۔ بخاری: کتاب الفضائل القرآن، باب خیر کم من تعلم القرآن، 752/2

کہ ماہ و سال سے ہے، تو نگری کا تعلق ہنر سے ہے مال سے نہیں۔

بزرگی کا تعلق عقل و فراست، فہم و ادراک اور حکمت سے ہے عمر سے بزرگی کا تعلق نہیں ہے اور بڑا سخی وہ نہیں جو صرف مال دے بلکہ بڑا سخی وہ جو ہنر دے۔ مثلاً ایک شخص نے ایک کو ایک لاکھ روپے دیے، اور ایک دوسرے نے کسی کو ہنر سکھا دیا کہ جو خود بھی اور دوسروں کی بھی پرورش کر رہا ہے تو وہ ہنر اس مال سے افضل ہو گیا وہ سخاوت تھی جو استاد نے اپنے شاگرد کو دی۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا سخی اللہ ہے اس کے بعد سب سے بڑا سخی میں ہوں اس کے بعد میری امت سے سب سے بڑا سخی وہ ہے جو خدا نے اس کو علم دیا اس کو خلق خدا میں بانٹتا رہا تو یہ بھی سخاوت ہے۔ تو لہذا بزرگی کا تعلق عقل و علم سے ہے، اگر ہم اس پیمانے پر دیکھیں کہ ایک بزرگ ہے اور ایک نوجوان ہے تو احترام بزرگ کا زیادہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَمَنْ يُؤَقِّرْ كَبِيرًا فَلَيْسَ مِنَّا

ترجمہ: جو ہمارے بڑے کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

وَمَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرًا فَلَيْسَ مِنَّا

ترجمہ: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ فَلَيْسَ مِنَّا

ترجمہ: اور جس نے ہمارے عالم کے حق کو نہ پہچانا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہاں پیمانہ عمر ہے بزرگ اور نوجوان، اگر مقابل ہوں تو بزرگ کو فضیلت

۱- مجمع الزوائد: کتاب الادب، رقم: 12610

۲- ترمذی: ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء رحمۃ الصبیان 14/2: مجمع الزوائد: کتاب الادب، رقم: 12610

۳- مجمع الزوائد: کتاب الادب، رقم: 12610

حاصل ہے۔ اگر موازنہ ہو رہا ہو ایک ایسے نوجوان عالم کا بوڑھے عالم کے ساتھ تو بوڑھے کا احترام زیادہ ہے، امامت کرانی ہے ایک بوڑھا عالم ہے ایک نوجوان عالم ہے تو امامت کے لیے بوڑھا عالم حق دار ہے لیکن اگر وہ بوڑھا عالم اجازت دے کہ مولانا صاحب امامت کرائیں تو پھر نوجوان امامت کرائے گا لیکن اصل میں وہ بزرگ عالم ہی امامت کر رہا ہے جنہوں نے حکم دیا تھا۔ یہ چیزیں سمجھ لیں ہمارے ہاں ان کا شعور نہیں ہے سیادت تو بہت بڑی چیز ہے اس کو بندہ زور بازو سے حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عالم کا ادب

امام شعبی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور اہل بیت میں سے ہیں، وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی رکاب تھام کے کھڑے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں آپ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، وہ فرماتے ہیں آپ بیٹھے رہیں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی سکھایا ہے کہ علماء کی تعظیم ایسے ہی کرنی ہے، یہ تربیت تھی، وہ نیچے اترے تو انہوں نے ہاتھوں پر بوسے دینا شروع کر دیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہمیں بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی سکھایا ہے آپ کی قرابت کا ادب ایسا ہی کرنا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ط (الشوری: 23)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

یہ چیزیں سمجھنے کی ہیں "سید کم" سے علماء نے کئی چیزیں نکالیں ہیں جو تم میں بہتر ہے علم والا ہے جب میں لفظ بزرگ کہوں تو اس سے مراد عمر والی بزرگی نہیں

بلکہ علم والی بزرگی کی بات ہوگئی۔

تو جب یہ فرمایا: اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو سب سے پہلے کہنے والے خود کھڑے ہوئے فقعد عند النبی ﷺ وہ آئے جو کہ خاص سیٹ تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ گئے "فقال: هو لاء نزلوا علی حکمک" اب ان کی قسمت دیکھیں سعد کے امام کو چھوڑ کر سعد کے فیصلے پر متفق ہیں، انہوں نے کہا کہ اے سعد یہ تیرے فیصلے کے منتظر ہیں قال: فانی احکم ان تقتل مقاتلتهم و تسبی ذرارئہم " حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنایا بلا جھجک اور دو ٹوک اور بڑی جامع سیٹ منٹ دی فرمایا وہ لوگ جنہوں نے لڑائی میں حصہ لیا ہمارے لوگوں کو قتل کیا ان کو قتل کیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: فقال: لقد حکمت بما حکم به البک " اے سعد تو نے وہی فیصلہ کیا ہے جو تمہارے فیصلہ سنانے سے پہلے جبریل آ کر مجھے یہ فیصلہ سنا چکے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے داد دی وہ خوش ہوئے۔ بہر حال آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " قوموا الی سیدکم " ترجمہ: تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری وہ اس کے تحت لکھتے ہیں: کہ حاکم وقت پر لازم ہے، نبی کریم ﷺ اس وقت کی حکومت تھے سرکاری قانونی، آئینی طور پر رسالت کے منصب کے علاوہ اس وقت کا جو منصب و سٹیٹ تھا وہ آپ ﷺ کا تھا تو علامہ عینی لکھتے ہیں حکومت وقت فوراً اپنی رعایہ کو حکم دے کہ قانونی طور پر کہ علماء کا احترام کرو سادات کا جو منصب ہے جو تم میں سے بہترین ہیں ان کا احترام کرو اگر حاکم وقت ہو وہ اہل فضل کو اپنے ساتھ مرتبہ پر بٹھائے "والقیام فیہ لغيرہ من اصحابہ، و الزام الناس كافة للقیام الی سیدہم" پھر اپنے دوسرے ساتھی کو بھی اس کا پابند کرے اور لوگوں پر لازم کر دے کہ وہ اپنے سے بڑوں کا اور اہل سادات کا اور اہل

منصب کا، علماء و مشائخ کا احترام کریں، حاکم وقت اگر عادل ہو تو اسی طرح اس کا اکرام بھی لازم ہے، علماء یہاں ایک نکتہ اٹھائے رہے ہیں سنن ابن ماجہ کی ایک روایت سے اشتباہ میں پڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے کہ ”نبی کریم ﷺ قال: خرج النبی ﷺ متوکئا علی عصی“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصا شریف پر ٹیک لگا کے باہر تشریف لارہے تھے ”فقینا لہ فقال: لا تقوموا کم تقوموا الا عاجم۔“ ہم سبھی کھڑے ہو گئے فرمایا: اس طرح کھڑے نہ ہو کرو جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں روم، ایران، کسری کے درباروں میں اور آج بھی یہ ہے کوئی وزیر و مشیر سیٹ پر بیٹھا ہو اور وہ ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں پہلے ایسے ہوتا کہ بادشاہ تخت پر ہے اور باقی سبھی ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ دیا کہ اس طرح کھڑے نہ ہو کرو یہ نہیں فرمایا کہ تم کھڑے نہ ہو کرو کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس طرح نہ کھڑے نہ ہو کرو جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کی مزید تائید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو خواہش ہو کہ لوگ میرے لیے کھڑے ہوں اور مستقل کھڑے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان النبی ﷺ قال: من احب ان یتمثل لہ الرجال قیاما وجبت لہ النار“ (الترغیب والترہیب: رقم: 4003) جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کیلئے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ یعنی جس طرح لوگ تصویر اور مستقل کھڑے ہوتے ہیں اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

قیام تعظیمی کے جائز اور ناجائز اسباب

علامہ ابن رشد نے قیام کی چار وجہیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلا قیام: جو شخص پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو اس کے لیے قیام کرنا حرام ہے۔ دوسرا قیام: جو متکبر شخص کسی کو مجبور کر کے اپنے لیے قیام کرائے وہ منع ہے اور کسی ایسے شخص کے لیے ہو جو اس کا اہل ہی نہ ہو تو اس کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔ تیسرا قیام: کوئی دین دار، صاحب فضل اور بزرگ آرہا ہو تو اس کے لیے قیام کرنا جائز ہے، ”قومو الی سید کم“ فرمایا اس کے اکرام و تکریم کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ چوتھا قیام: یہ مستحب ہے ”وہو ان یقوم لمن قدم من سفر فرحاً بقدمہ لیسلم الیہ“ کوئی ساتھی یا بھائی سفر سے آیا اس کے لیے کھڑے ہونا یا بطور مہمان آیا اس کے لیے کھڑے ہونا یہ چاروں چیزیں اس قیام کے اندر شامل ہیں۔

فرمایا: ”قومو الی سید کم“ ایک متن میں ہے ”قومو لسید کم“ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور ایک ہے اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ یعنی اس کے پہنچنے سے پہلے تم پہنچ جاؤ جیسے ایئر پورٹ پر جاتے ہو، ایک ہے گھر پہنچ گیا ہے اب کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے ایسا ہی حکم دیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام تعظیمی کرنا

امام بیہقی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ”القیام علی وجہ البر والاکرام جائز کقیام الانصار لسعد“ جو قیام کسی کے دین اور علم و تقویٰ اور نیکی کی وجہ سے ہو وہ مستحب ہے باعث اجر و ثواب ہے جیسے انصار نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قومو الی سید کم“ ”والطلحة لکعب“ حضرت طلحہ جب توبہ کر کے مسجد نبوی میں آئے ایک ایسا بندہ

جو توبہ کر کے آیا ہے ابھی اس کو کوئی رسپونس نہیں ملا تو اس کی توبہ کے احساس سے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کھڑے ہوئے مجھے پکڑا ہاتھ ملایا اور مبارک باد دی یہ صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں مجھے رسیو کیا اور بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچایا، یہ بنیاد جو اسلام نے ہمیں فراہم کی ہے۔

سنن ابی داؤد کی ایک حدیث پڑھیے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، امام نسائی علیہ الرحمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھے گفتگو فرما رہے تھے ”فاذا قام قمنا قیاما“ جب مجلس برخاست ہوتی تو ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے ہو جاتے ”حتی نراہ دخل بعض از واجہ“ ہم اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ اپنی ازواج میں سے کسی گھر داخل نہ جاتے یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ حدیث جانے والے کے لیے قیام کرنیکی دلیل ہے، ایک ہے آنے پر کھڑے ہونا دوسرا ہے جانے پر کھڑا ہونا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سکھایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رضاعی والدین کا ادب کرنا

حضرت عمر بن صائب فرماتے ہیں ”ان رسول اللہ ﷺ کان جالسا فاقبل ابوہ من الرضاۃ“ بڑی بابرکت اور کیفیت والی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہ کے شوہر آئے ”فوضع له بعض ثوبه فقعده عليه“ تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کچھ حصہ ان کے لیے کھول دیا اس پر ان کو بیٹھا دیا ”ثم اقبلت امه فوضع لها شق ثوبه من الجانب الاخر فجلست عليه“ اتنے میں رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں تو جو کپڑا بیچ گیا تھا وہ ان کے لیے بچھا دیا وہ اس پر بیٹھ گئی ”ثم

اقبل اخوة من الرضاعة فقام رسول الله ﷺ فأجلسه بين يديه،¹ پھر رضاعی بھائی آگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کھڑے ہوئے پھر اپنے دودھ شریک بھائی کو اپنے سامنے بیٹھا لیا، دائیں بائیں رضاعی ماں باپ اور سامنے رضاعی بھائی کو بیٹھا یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ یہ قیام تعظیمی ہے، ورنہ ہمارے یہاں ایسے ہوتا ہے کہ یہ قول رسول، یہ فعل رسول، یہ عمل رسول ہے کسی صحابی نے یا کسی صحابیہ نے کوئی کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا ہے دیکھا ہے اور اس پر سکوت فرمایا ہے تو اس کو تقریر رسول کہتے ہیں، اس عمل کو یہ سعادت حاصل ہے کہ یہ عمل قول رسول بھی ہے فعل رسول بھی ہے اور تقریر رسول بھی ہے یہ تینوں برکتیں اس عمل میں شامل ہیں۔

رضاعی ماں باپ ہیں، عمل سے فرمایا: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہوئے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کا استقبال کیا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد و فرمودہ عمل جس میں آنے والے کے لیے کھڑا ہونا، اس کو ائمہ فقہاء اور ائمہ حدیث کے علماء نے بے حد عمل کیا اور اس پر الزام فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا عالم کے لیے قیام تعظیمی کرنا

سلف صالحین، متقدمین ائمہ کا اس پر طرز عمل رہا، بے شک اس میں کوئی عمر کا چھوٹا ہی ہو، نوجوان عالم ہے اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ اس نوجوان کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں جب حاضرین میں سے کسی نے پوچھا آپ وقت کے امام ہیں اور ایک چھوٹے سے بچے کے کھڑے ہو رہے ہیں آپ نے اس کا پورا شجرہ بولا، فرمایا تم تو دوسری بات کر رہے ہو وہ عالم بھی ہے بالکل ٹھیک ہے مگر یہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، تین واسطوں سے یہ عبدالرحمن بن عوف کا پوتا تھا، میں اس کے

۱- ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی بز الوالدین، رقم: 5145

احترام میں کھڑا ہوا ہوں چلو عمر میں چھوٹا ہی سہی یہ ہے بزرگوں نے جو آداب سکھائے ہیں تعلیم دی ہے ان کے اقوال میں تعلیم کے سارے پہلو ہوا کرتے تھے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ ”قوموالی سید کم“ اس حدیث کو چار مقام پر ذکر کیا ہے، صحیح مسلم اور ابوداؤد اور امام بخاری اس کو ادب المفرد میں بھی لائے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا قیام تعظیمی فرمانا

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، عجیب بات ہیں کہ ماں اپنی بیٹی کی فضیلت بیان کرتی ہیں۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما راایت احدا اشبه سمتا و دلا و ہدیاً برسول اللہ ﷺ فی قیامہا و قعودہا من فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ قالت: و كانت اذا دخلت علی النبی ﷺ قام الیہا فقبلہا و اجلسہا فی مجلسہ، و کان النبی ﷺ اذا دخل علیہا قامت من مجلسہا و قبلتہ و اجلستہ فی مجلسہا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کسی بھی شخص کو چال میں گفتار میں رفتار میں اور انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے مشابہ نہیں دیکھا جتنا حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو بہو تصویر تھی۔ سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے ان کو بوسہ دیتے تھے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور جس جگہ خود تشریف فرما ہوتے اسی جگہ ان کو بھی بیٹھا دیتے۔ دوسری طرف کیا تھا۔ جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری صاحبزادی سے

۱- ترمذی: ابواب المناقب، باب فی فضل فاطمۃ رضی اللہ عنہا: 226/2

ملاقات کے لیے تشریف لاتے تو وہ بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو جاتی اور اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتی اور جس جگہ خود بیٹھتی اس جگہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھا دیتی یہ وہ معاملات ہیں جو اندرون خانہ ہو رہے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا احسان ہے کہ رسول اللہ کی اس ادا کو روایت کرنے کے اس امت تک پہنچایا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے یہ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نہایت کریمانہ اور شان والا پہلو ہے یہ معمول تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ بوسہ دینا اور کھڑے ہونا اور اپنی جگہ پر بٹھانا اور یہی کیفیت حضرت فاطمہ الزہرا کی بھی تھی۔ اب دیکھیں دونوں طرف سے کیفیت ایک ہی ہے لیکن جب باپ بیٹی کے لیے کھڑا ہوگا تو یہ استقبال و شفقت پر مبنی ہوگا اور جب بیٹی باپ کے لیے کھڑی ہوگی تو یہ احترام ہوگا۔ عمل ایک ہی ہے لیکن اس کے عمل کرنے والے کی نوعیت تبدیل ہوگئی دونوں نے بوسہ دیا لیکن اس کے اندر کیفیت میں تبدیلی ہے۔

یہاں بات ہو رہی ہے قیام تعظیمی کی کہ آنے والے کے لیے استقبال کرنا اور جانے والے کو ادب و احترام سے رخصت کرنا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا استقبال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا جن کی وجہ سے یہ آیت مبارکہ اتری:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ

النَّبِيِّينَ ط (الاحزاب: 40)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول

ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔

چونکہ عربوں نے آپ کو ابو زید کہہ کے پکارنا شروع کر دیا تھا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے اتنی محبت تھی حلا نکہ وہ ایک سیاہ فام غلام تھے۔ لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بھی بڑی عجیب ہے، جب شفقت آتی ہے تو بلال میں اور ابو ذر غفاری میں کوئی فرق نہیں ہوتا وہ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تشریف فرما تھے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے دروازے پر دستک دی جب پتہ چلا کہ زید بن حارثہ ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ”فقام رسول ﷺ الیہ عریانا یجر ثوبہ“ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اتنی والہانہ محبت تھی کہ جسم پر چادر بھی نہیں، چادر گھسیٹتے ہوئے دروازے پر جا رہے ہیں ”واللہ ما رایتہ عریانا قبلہ ولا بعدہ“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انداز میں نہ کبھی پہلے دیکھا اور نہ کبھی بعد میں دیکھا تھا۔ کہ جسم پر چادر نہ ہو اور آپ ایسے ہی کپڑا گھسیٹتے ہوئے باہر کی طرف جا رہے ہوں، اس والہانہ کیفیتوں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا ”فاعتنقہ و قبلہ“ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اس کے ساتھ لپٹ گئے اور اس کو بوسہ دیا، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے پیشانی پر بوسہ، رخسار پر بوسہ، گردان پر بوسہ معانقہ کے اندر یہ شامل ہے، ہاتھ سے ہاتھ ملا یا پھر معانقہ کیا پھر جو کمال محبت کی انتہا ہے وہ بوسہ پر ہے، اب بوسہ کون کسے دے رہا ہے یہاں بھی وہی کیفیت ہے باپ بیٹا کو چوم رہا ہے ماں بیٹے کو چوم رہی ہے بہن بھائی ایک دوسرے کو بوسے دے رہے ہیں یہ اور بات ہے، اور

استاد شاگرد کو بوسہ دے رہا ہے اور شاگرد استاد کے ہاتھ چوم رہا ہے مرید مشائخ کے ہاتھ پاؤں چوم رہا ہے یہ سارے مظاہر صحابہ کرام سے ثابت ہیں ”ہذان حدیثان دلیلا القیام عند القدوم“ ائمہ حدیث فرماتے ہیں یہ دونوں حدیثیں بھی پہلی کی طرح کسی کے آنے پر کھڑے ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس حدیث پاک کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بھی ہے اور امام محی الدین شرف زکریا نووی بھی اپنی کتاب ترخیص فی القیام کے اندر پوری سند کے ساتھ لائے ہیں۔

تیسری حدیث پاک جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”قال ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ: کان النبی ﷺ یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتی نراہ دخل الی بعض ازواجہ“

حدیث مرسل کی تعریف

حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں کہ اگر تابعی اس کو روایت کرے اور کہے قال رسول اللہ ﷺ یعنی تابعی صحابی کا نام نہ لے۔ یہ حدیث پاک مرسل ہے، اصول حدیث کا ایک تبرک ہے چونکہ حدیث کے طلباء کے لیے مفید ہے، وہ بغیر سننے والے سے براہ راست اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر رہا ہے اس کو حدیث مرسل کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ تابعی ہیں یہ کہیں قال رسول اللہ ﷺ تو یہ حدیث مرسل ہو گئی ظاہر بات ہے کہ تابعی تو رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت نہیں کر سکتا تو معلوم ہو گیا کہ درمیان میں واسطہ مذکور نہیں ہے۔

۱- ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی العلم والاخلاق النبی ﷺ

حضرت عمر بن صائب رضی اللہ عنہ والی حدیث مرسل ہے اسکو نقل کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعض نے کہا کہ حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہے ایک واسطہ درمیان میں نہیں ہے، جمہور ائمہ کرام نے فرمایا کہ جو مستند تابعی چونکہ تابعی مستند ہی ہوتا ہے ان کے بارے میں یہ گمان درست ہی نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرے گا اگر مشہور وثقہ تابعی یا کوئی امام مستند روایت کرے تو اس کے بارے میں حسن ظن رکھنا ہوگا کہ ضرور اس نے کسی صحابی سے سنی ہوگی۔

بنو امیہ جب اہل بیت اطہار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک خاص تاثر پایا جاتا تھا۔ تو اس زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرویات کو تابعی ان کا نام لیے بغیر ذکر کر دیتے تھے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ان میں سرفہرست ہیں چونکہ ان کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تھا۔

چونکہ ماحول اور مخالفت ایسی تھی کہ نام نہیں لیتے تھے، لیکن کسی کسی موقع پر بیان کر دیتے کہ جب میں یہ ٹرم استعمال کروں یا یہ الفاظ ذکر کروں تو وہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہوگی۔ اس میں ضابطہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم تینوں حدیث مرسل کو متفقہ قبول کرتے ہیں لیکن امام شافعی علیہ الرحمہ حدیث مرسل کو مشروط طور پر قبول کرتے ہیں جو ان کے ماننے والے ہیں وہ بھی مشروط طور پر حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں مجموعی طور پر قبول نہیں کرتے اور وہ اس کو حدیث ضعیف کہتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سرحد مدینہ پر آئے تو ہم نے سوچا کہ سفر سے آئے ہیں گردوغبار پڑی ہوئے ہے نہادھو کر بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا جذبہ اتنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ صحابہ کرام سواریاں چھوڑ کر اپنے گھروں میں

تیاری کرنے کے لیے جارہے ہیں، فرماتے ہیں: ”فلما خرج قمنا الیہ“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے تو ہم آقا کی بارگاہ میں معذرت خانہ طور پر عرض کی، آقا آپ پہلے ہی باہر تشریف لائے ہیں ”نحن الفرارون“ حضور ہم بھاگ رہے تھے تاکہ صاف ستھرے ہو کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ”فاقبل علینا“ فقال: لا، بل أنتم العکارون“ فرمایا تم مغرور لوگ نہیں ہو تم بھاگنے والے نہیں ہو بلکہ تم وہ لوگ ہو جو تیاری کر کے امام کے ساتھ ہو کر لڑتے ہو، ”قال فدنوننا فقبلنا یدہ“ فرمایا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے اور بار بار سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کا بوسہ لیا ”فقال ان فة المسلمین“ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا ہم سب مسلمان ہیں یہ وہ امور تھے کہ ان پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے اور ان پر مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے اور خود اس پر فتویٰ لگانے لگے خود اس سنت سے محروم ہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا اس پر عمل پیرا ہو تو اس پر بھی فتوے لگاتے ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اب صحابی کا صحابی کے لیے کھڑے ہونا، یہ وہ صحابہ ہیں جو ایک غزوہ میں پیچھے رہ گئے اور سورہ توبہ میں ان کی قبولیت کا ذکر آیا ہے، حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ سورہ توبہ کی آیت نمبر 117.118 یہ ان کی قبولیت کے حوالے سے اتری تھی، اسلام خفا ہو گئے تھے، جہاد میں نہ جانے کی وجہ سے، انہوں نے عذر پیش کیا کہ آپ چلیں ہم آپ کے پیچھے آجائیں گے ہم نے پانی لگانا ہے فصلیں کھڑی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تینوں نہ جاسکے واپسی پر آقا علیہ السلام نے ان سے ناراضگی کا اظہار فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے ان کے گھر والوں نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا، فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں تو ہمارا اس سے کیا تعلق ہے بیوی بچے باقی گھر والوں نے باز کاٹ کر دیا اب یہ اس

معاشرے میں ایسے تھے گویا یہ اکیلے ہیں رہ گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی تو بہ قبول ہوئی، فرماتے ہیں حضرت بن مالک رضی اللہ عنہ، جب میں توبہ کر کے مسجد نبوی میں داخل ہوا تو لوگوں نے فوج در فوج مجھے مبارک باد دی، پہلے سب نے تعلق چھوڑ دیا، اُن کی اگر کسی سے محبت ہے تو صرف اللہ کے لیے اور اگر دشمنی ہے تو صرف اللہ کے لیے ہے۔

دعوت فکر

لیکن ہم دوستیاں بھی اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں اور دشمنیاں ابھی اپنے لیے کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کی تربیت اور طرح کی تھی۔ حدیث پاک میں موجود ہے۔ "قال معاویة قال النبی ﷺ من احب ان یتبثل له الرجال قیاما فلیتبا مقعدہ من النار"۔ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ لوگ میرے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

قیام تعظیمی کی وضاحت

یہ جو کھڑا ہونے کی ممانعت کی حدیث ہے وہ اس ارادہ اور کیفیت کی ممانعت ہے جو کھڑا ہونے والے اور جس کے لیے کھڑا ہوا ہے اس کے دل میں جو ہے اس کی ممانعت ہے، وگرنہ حضرات صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعلیم کبھی نہ دیتے۔ ائمہ فرماتے ہیں: یہ کراہت اس شخص کے لیے ہے جو مستحق قیام نہ ہو جو فاسق و فاجر ہو جو دنیا دار ہو لیکن آج اس کا الٹ ہے کہ دیندار کے لیے کوئی نہیں اٹھتا اور فاسق و فاجر کے لیے ہر کوئی کھڑا ہونے کا تیار ہے۔ دین ہمارا یہ سیکھا رہا ہے کس کے لیے کھڑا ہونا ہے "الامام العادل" جو عادل حکمران ہو اس کے لیے کھڑا ہونا ہے "والمتعلم

للعالم "طالب علم اپنے استاد کے لیے کھڑا ہو، مقتدی اپنے امام کے لیے کھڑا ہو، جس کے اندر یہ صفات نہ پائی جائیں تو اگر کوئی اس کے لیے کھڑا نہیں ہوتا تو کوئی قباحت نہیں ہے۔

اس کی چار کیفیتیں ہیں ایک وہ جو باقاعدہ ممنوع ہے وہ یہ کہ کوئی دنیا دار شخص غرور و تکبر کا پیکر اور یہ خواہش رکھتا ہے کہ میرے لیے کھڑا ہوا جائے اس کے لیے کھڑا ہونا منع ہے اس کے دنیاوی جاہ منصب کے لیے اگر کوئی کھڑا ہوتا ہے تو یہ ممنوع ہے۔ دوسرا: کسی کے تکبر میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہو اس کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے، تیسری کیفیت جو جائز ہے کسی شخص کی نیکی کی وجہ سے صالح ہے اور دین دار آدمی کی وجہ سے اگر کھڑا ہو جائے تو یہ جائز ہے۔

چوتھی کیفیت جو مستحب ہے کوئی شخص دیندار ہے صالح ہے کوئی عزیز و قریب ہے رشتہ دار ہے باہر کے سفر سے آیا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے تو یہ مستحب ہے۔

امام محدثین حضرت یحییٰ بن سعید قطان علیہ الرحمہ جب عصر کی نماز پڑھا کے فارغ ہوتے جب حلقہ درس حدیث لگتا تو یہ مسجد کے مینار کے ساتھ ٹیک لگا لیتے، حدیث پڑھانے کے لیے بیٹھ جاتے "فیقف بین یدیہ علی بن المدینی والشاذکونی و عمرو بن علی و احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین وغیرہم" حضرت یحییٰ بن معین امام احمد بن حنبل کے استاد حدیث پڑھانے کے لیے بیٹھ جاتا اور شاگرد ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے وہ ادب کی وجہ سے کھڑے ہو کر سنتے تھے، یہاں دو ادب ہیں ایک حدیث پاک کا ادب اور دوسرا حدیث پڑھانے والے کا ادب ہے کیونکہ وہ ائمہ حدیث تھے اس کا مرتبہ و مقام جانتے تھے اور وہ پوچھتے رہتے تھے "یسألونہ عن الحدیث و ہم قیام علی ارجلہم الی

ان تحین صلاۃ المغرب لا یقول لواحد منهم اجلس ولا یجلسون
 هیبة له اعظماً۔ یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہو جاتی، حدیث کے بارے
 سوالات پوچھتے رہتے اور (حضرت یحییٰ بن سعید القطان علیہ الرحمہ) کسی سے بھی
 نہیں کہتے کہ تم بیٹھ جاؤ اور نہ ان میں سے کوئی استاد کے رعب و دبدبہ سے اور اکرام و
 تعظیم کی وجہ سے جرات ہوتی کہ بیٹھ جائے، یہاں سے ایک ادب یہ نکلا کہ مرید اور
 شاگرد اپنے استاد اور مشائخ کے لیے کھڑا ہو جائے اور جب تک وہ نہ بیٹھ جائے یہ نہ
 بیٹھے، اگر وہ کھڑا ہے تو یہ بھی کھڑا رہے کوئی ٹیک لگائے اگر کوئی عذر ہے تو اپنے استاد
 اور مشائخ سے اجازت طلب کرے۔

حضرت حماد بن زید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ ہم حضرت ایوب سختانی علیہ
 الرحمہ ان کی خدمت میں بیٹھے ہوتے تو حضرت یونس علیہ الرحمہ تشریف لاتے یہ تابعین
 میں سے بزرگ ہیں ”فقال حماد قوموا لی سیدکم“ وہی الفاظ جو حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے وہی الفاظ حماد بن زید رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کو فرماتے، اپنے
 سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں سے امام نووی علیہ الرحمہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے
 کہ جب کوئی صاحب علم و منصب آجائے تو اس کو احتراماً سید کہنا جائز ہے یعنی ہمارے
 سردار کہنا جائز ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک قیام تعظیمی

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ ردالمختار کے اندر لکھتے ہیں آنے والے کے
 لیے قیام تعظیمی کرنا مستحب ہے بشرطیکہ وہ آنے والا تعظیم کا مستحق ہو۔

ایک آدمی قرآن پاک پڑھ رہا ہے کوئی عالم آگیا تو وہ تلاوت قرآن پاک
 موقوف کرے پہلے اس کا احترام کرے ”قیام المجالس فی المسجد لمن

دخل عليه تعظيماً و قیام قارئ القرآن لمن یجئ علیه“ اگر آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں کوئی ذکر و اذکار کر رہے ہوں یا تلاوت کر رہے ہوں اگر کسی کے بارے دل میں رنجش ہو تو قرآن پاک مکیں ارشاد ہے:

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا (الحشر: 10)

ترجمہ: ایمان والوں کا کینہ دلوں میں نہ رہنا۔

تو اس جذبے کے لیے اس کے لیے بھی کھڑا ہو جائے ہو سکتا ہے اس کھڑا ہونے کی وجہ سے وہ رنجش جاتی رہے۔

فقہاء شوافع کے نزدیک قیام تعظیمی

يسن القیام الاهل الفضل اكراما لا رياء و تفخيماً قیام کرنا سنت ہے کوئی ریا اور تصنع نہ ہو جو اہل فضل اور اہل تقویٰ ہیں ان کے لیے تو کھڑا ہونا سنت ہے اگر ان کے علاوہ ہو تو دیکھ لے کہ یہ اس کا اہل بھی ہے کہ نہیں ایسے ہی ملاوٹ تو نہیں، یہ سیاسی لیڈوں، مشیروں، وزیروں کے لیے قیام کرنا حرام ہے شوافع کے نزدیک اس کے لیے قیام کرنا حرام ہے۔

امام غزالی شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ”القیام مکروہ علی سبیل الاعظام لا علی جهة الاكرام“ اگر محض دنیاوی منصب کے لیے قیام کر رہا ہے تو وہ مکروہ ہے، لیکن اگر وہ صاحب عادل حکمران ہے، عالم ہے، تو اس کے لیے قیام کرنا درست ہے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک قیام تعظیمی

ائمہ مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں چونکہ شریعت نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا ہے کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے کسی کو چھینک آئے تو اس کا جواب دینے کا حکم دیا ہے

فلاقات کے وقت مصافحہ کرنے کا حکم دیا ہے یہ ساری باتوں کا حکم کیوں دیا ہے تاکہ پیار و محبت اور رغبت پیدا ہو یہ چیز حوصلہ افزائی کے لائق ہے اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن جب کوئی عالم، صاحب تقویٰ فقہاء یا صوفیہ میں سے کوئی بزرگ ہو تو بدرجہ اس کے لئے کھڑا ہونا ہے یہ اکرام و تعظیم کرنا بہت بڑے اجر و ثواب کی بات ہے۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک قیام تعظیمی

فقہاء حنبلیہ فرماتے ہیں وہ قیام جس میں کوئی بیٹھا ہو چاہے، وہ کوئی بھی ہو معلم ہو، کوئی شیخ ہو، کوئی بزرگ ہو، پیر ہو، یا مہمان ہو تو وہ بیٹھ جائے اور آپ ہاتھ باندھ کے کھڑے ہیں جیسے کوئی اچھا میزبان ہو تو وہ ٹیبل کے پاس کھڑے رہتے ہیں جی کچھ چاہیے کچھ ضرورت تو نہیں۔

مومن کی حرمت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے

سنن ابن ماجہ کے کتاب الفتن میں ایک حدیث پاک تبرکاً شامل کریں، جس طرح اللہ کی نشانیاں اور شعائر بہت سارے ہیں مثلاً خانہ کعبہ، قرآن پاک، حجر اسود، صفا و مروہ اور قربانی کا جانور وغیرہ..... "وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ" (الحج: 32) جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم و توقیر کی یہ دلوں کے تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

یہ حدیث پاک پڑھیں تاکہ آپ کو سارہ فلسفہ سمجھ آ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے کہا: "والذی نفس محمد بیدیہ" اے خانہ کعبہ مجھے قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تیری بڑی عزت و حرمت ہے تو بڑی شان والا ہے

لیکن "حرمۃ المؤمن اعظم عند اللہ حرمة منك"۔

میرے ایک امتی کی حرمت اللہ کی بارگاہ میں تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے اب بتائیں کعبہ کو دیکھنا تو عبادت ہو اور جس کی حرمت کعبہ سے بھی زیادہ ہو اس کو دیکھنا پھر اس کیفیت میں، اس نیت سے دیکھنا، اس حکم کی تعمیل میں دیکھنا، اس ارادے سے دیکھنا یہ ساری چیزیں اس کو اپنے ذہن میں رکھیں تو بہت سارے مسئلے حل کر دیتی ہے، ایک اللہ کانیک بندہ ایک اللہ کا ولی اس کی عزت و حرمت اللہ کی بارگاہ میں کتنی ہوگی اور اگر کعبہ کو دیکھنا عبادت و ثواب ہے گناہ مٹ جاتے ہیں اور کعبہ کو پہلی نظر دیکھ کر جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے پھر جس کی حرمت کعبہ سے بھی زیادہ ہے یہ جن لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ یہ صوفی لوگ ایسے جذبے کے ساتھ باتیں کرتے رہتے ہیں۔

مرشد دادیدار ہے باہو سانوں لکھ کر وڑاں حجاں ہو

وہ بالکل سادہ اور جھٹکے انداز میں پیش کر دیتے ہیں حقیقت میں ان کے پیچھے قرآن و حدیث ہوتا ہے جب وہ سادہ سا بیان کرتے ہیں تو ہمارے سننے والے کو یقین ہی نہیں آتا کہ اس کے پیچھے بھی کوئی آیت یا حدیث ہو سکتی ہے، لیکن جب پڑھتا ہے اس کو سمجھ آتی ہے کہ جو اللہ والے اور ائمہ کرام ہوتے ہیں یہ بات کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کوئی سند موجود ہوتی ہے، یہ بات حضرت سلطان باہو کے اس شعر کی سند ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

وہ فرماتے ہیں کہ کسی اللہ والے کا دل خوش کر دینا یہ ہزاروں حج کرنے سے بہتر ہے اور ہزاروں کعبوں سے ایک زندہ دل بہتر ہے جس میں اللہ اور اللہ والے کی یاد ہو

۱۔ ترمذی: ابواب التفسیر 145/2: سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن، 1297/2: مجمع

الزوائد: کتاب الزہد، رقم: 17940

ورنہ ان کی حرمت کیا ہے کعبہ سے افضل ہونے کی، وہ بیت اللہ ضرور ہے مگر اللہ اس میں رہتا نہیں۔

حدیث قدسی میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ میں تجھے کہاں ڈھونڈوں، فرمایا وہ جو میری یاد میں تڑپنے والے ہیں جن کے دل میری یاد میں ٹوٹ چکے ہیں ان ٹوٹے ہوئے دلوں میں تلاش کیا کر۔ اسی لیے فرمایا ”انا جلیس مع من ذکرنی“

جو میرا ذکر ہوتا ہے میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں اس لیے حدیث پاک میں فرمایا کہ میرے اس دوست جس کی عزت و حرمت کعبہ سے زیادہ ہے اُس سے جس نے بغض و عداوت رکھی اس سے میرا اعلان جنگ ہے۔

بے ادبی کا وبال

یہ دیکھیں کہ بے عملی ایک چیز ہے اور بے ادبی ایک چیز ہے بے عملی بندے کی ذات تک رہتی ہے اس کا گناہ اس کی ذات تک رہے گا لکھا ہوا رپورٹ ہو چکی ہے، بے ادبی متعدی ہوتی ہے یہ پھیلنے والا دائرہ ہے پہلے اس کی ذات تباہ، پھر جو اس کے دائرے میں آیا، اس کی صحبت میں آیا اس کے تصورات و نظریات میں آیا وہ بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بے ادب تنہا نہ خوراد اشت بد

بلکہ آتش درہم آفاق زد

کہ بے ادب صرف اپنی ذات کا سبب نہیں بنتا بلکہ ایک جہاں اس بے ادب سے تباہ ہو جاتا ہے اسی لیے بے ادبی اور بے ادبوں سے بچنا بہت ضروری ہے، بے ادب کے ساتھ دوستی بھی بے ادبی ہے یہ لوگ نہیں جانتے، ایک ہے بے ادب ہونا،

ایک ہے بے ادب کی محبت کا دل میں ہونا، بے ادب کے لیے نرم گوشہ ہونا، بے ادب سے سلام و تعارف و تعلق ہونا یہ منافقت ہے یہ عبداللہ بن ابی گروپ کیا کرتے تھے، چلو کوئی بات نہیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

جب ایمان والوں سے ملے تو کہا "قَالُوا اٰمَنَّا" جب کافروں سے ملے تو کہا "قَالُوا اِنَّا مَعَكُمْ" اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۴﴾ (البقرہ: 14) یہ بڑا خطرناک وائرس ہے امت کے کل صوفیاء، علماء کا اس پر اجماع ہے ایک کافر کی صحبت سے ایک بے ادب کی صحبت زیادہ خطرناک ہے۔ بے ادب سے مراد بد عقیدہ ہے کسی بھی حوالے سے بے ادبی کا مرتکب ہو رہا ہے صحابہ کرام، اہل بیت اطہار کے حوالے سے بے ادبی کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس سے بچیں، یہ کوشش کریں کہ اس کی صحبت اس کے افکار و نظریات سے دور رہیں اس کی کوئی چنگاری اڑ کر تمہیں نقصان نہ دے۔

میاں محمد بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

برے بندے دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں
 کپڑے بھاویں کنج کنج پیسے چنگاریاں پین ہزاراں
 حضرات صوفیاء کرام جب بھی کوئی ایسی مثال دیتے ہیں تو سمندر کو کوزے میں
 بند کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے اللہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین!

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

درس حدیث نمبر: 12

سلام کے آداب و احکام

سلام کے آداب و احکام

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ.

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما أن رجلاً

سأل رسول الله ﷺ: أي الإسلام خير؟ تطعم الطعام، وتقرأ

السلامة على من عرفت ومن لم تعرف.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک

شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے

فرمایا: کھانا کھلانا اور واقف ناواقف سب کو سلام کہنا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ لا

تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا الا ادلكم على

۱- الترغيب والترهيب: 412/3 رقم: 3978: صحيح بخاری: کتاب الایمان، باب اطعام الطعام من الاسلام

شیء اذا فعلتموه تحاببتم؟ افشوا السلام بینکم ۱

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے تم جنت میں داخل نہیں ہو گے اور اس وقت تک تم مومن نہیں ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرو اور کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، آپس میں سلام کو رواج دو۔

وَتَحَيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ (یونس: 7)

ترجمہ: اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے۔

سلام کرنے کا طریقہ

”يستحب ان يقول المبتدئ بالسلام السلام عليكم و
رحمة الله وبركاته فيأتي بضبير الجبع، وان كان المسلم عليه و
احدا، و يقول المجيب و عليكم السلام و رحمة الله و بركاته
فيأتي بواو العطف في قوله و عليكم“

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ پہلے سلام کرنے والا یہ الفاظ کہے: السلام عليكم ورحمة الله و
بركاته، (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور برکت ہو) جمع کا صیغہ استعمال کرے،
اگرچہ جسے سلام کہہ رہا ہے تنہا ہی کیوں نہ ہو، اور جواب دینے والا واو عطف کے ساتھ
”و عليكم السلام ورحمة الله و بركاته“ کہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت قال لي رسول الله ﷺ هذا
جبريل يقرأ عليك السلام قالت: و عليه السلام و رحمة الله
وبركاته ۲

۱- ابوداؤد: کتاب الادب، باب في افشاء السلام: الترغيب والترهيب: 412/3 رقم: 3979

۲- رياض الصالحين: کتاب السلام، رقم: 852: سنن ابن ماجه: کتاب الادب، باب في رد السلام

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ جبرئیل ہیں! جو تمہیں سلام کہتے ہیں۔ فرماتی ہیں: میں نے کہا: ”وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“۔

لفظ سلام کی شرح

جس ذات باری تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس کا صفاتی نام بھی سلام ہے۔ جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہوں اس پر درود و سلام بھیجیں۔ اللہ جو ہمارا رب ہے اس کا تعارف یہ ہے کہ ”الملك القدوس السلام“ وہ خود سلام ہے۔ صحابہ کرام کہتے تھے کہ جب ہم نماز پڑھتے تھے جب ہم قعدہ اخیرہ میں پہنچتے تو ہم کہتے ”السلام علی اللہ“ اللہ پر سلام ہو۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ ”لا تقولو علی اللہ السلام“ فرمایا کہ یہ نہ کہا کرو کہ اللہ پر سلام ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر سلام کہتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو نبی کریم ﷺ نے اصلاح فرمائی وہ بھی بیان کرتے تھے۔ جب ان کی اصلاح ہوتی تو وہ اس پر عمل بھی کرتے تھے اور اس کو محفوظ کر کے ریکارڈ بھی بناتے تھے۔ صحابہ کرام یہ نہیں کہتے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ ان کی نظر اپنے مالک و مولا پر رہتی تھی۔ ہماری نظر لوگوں پر رہتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ جہاں یہ تصور آجائے کہ لوگ کیا کہیں گے تو وہ عبادت شرک بن جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نماز اللہ کے لیے نہیں پڑھتا رہا بلکہ لوگوں کے لیے پڑھتا رہا۔ صحابہ کرام یہ اچھا کام کر رہے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصحیح فرمائی، وہ فرماتے کہ ہم اپنی طرف سے اللہ پر سلام بھیج رہے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر تم سلام بھیج رہے ہو وہ تو خود سلام ہے۔ فرمایا: ”ان اللہ هو السلام“ یہ اس کی صفت بھی ہے، اس کا کام بھی ہے اور اس کا نام بھی

ہے۔ وہ خود سلامتی ہے اور سلامتی عطا فرماتا ہے اور سلامتی کو پسند فرماتا ہے۔ چونکہ وہ خود سلام ہے، اس کی طرف سے سلام ہے اور ہر حال سلام ہے۔ اس لیے جب تم نے اس کے حضور ہدیہ ہائے عقیدت پیش کرنے ہوں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عطا فرمائے۔^۱

نماز میں سلام بھیجنا

مثلاً جب تم نے قعدہ میں تشہد کی حالت میں بیٹھنا ہے تو کہنا ہے۔ ”التحیات لله والصلوات والطیبات“ یہ اس وقت ملی تھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ پر سلام بھیج رہے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہٹا دو اور یہ سلام بھیجا کرو۔ کہ اے اللہ تمام مالی، بدنی، زبانی جتنی عبادتیں ہیں وہ سب تیرے لیے ہیں اور جب سلام بھیجنا ہو تو اللہ پر نہیں اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا کرو۔ پھر فرمایا: ”السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته“ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداک ابی وامی وروحہ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی برکت اور اس کی رحمت ہو۔ پھر آپ کے صدقے ہم پر بھی سلام ہو۔

نمازی صلوٰۃ و ثنا پڑھ رہے ہیں
ادا ہو رہی ہے عبادت کسی کی

(شہزاد مجتہد دی)

نمازی اللہ کی عبادت کر رہا ہے اور اللہ کے بندوں کی طرف سے عبادت ادا ہو رہی ہے۔ آپ غور کریں کہ نماز میں صرف اللہ کے حبیب پر سلام نہیں بھیجا جا رہا۔ بلکہ ساری امت پر سلام بھیجا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو کوئی اعتراض نہیں اور یہ کیسے بد بخت

۱۔ صحیح بخاری: کتاب الاستئذان، باب السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ

اور ذوق ایمانی سے محروم لوگ ہیں کہ نماز کے اندر اللہ کو کوئی اعتراض نہیں اور یہ لوگ نماز کے باہر سلام پر اعتراض کر رہے ہیں۔ تو یہ سلامتی بندے کے مزاج میں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ سلامتی قلب میں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، سلامتی سوچ میں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ اللہ خود سلامتی والا ہے اور اس نے جو محبوب بھیجا وہ بھی سلامتی کا پیکر بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس سلامتی کے پیکر نے جو ہمیں باہم ملنے کا طریقہ بتایا اس کا نام ہی سلام ہے۔

رب کا جنت میں سلام

اس لیے قرآن نے فرمایا: "وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ" (یونس: 7) ترجمہ: اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے۔ یہ جو دنیا میں سلام والے ہیں ایک دوسرے کو ہدیے اور تحفے دینے والے ہیں یہ جب جنت میں جائیں گے وہاں بھی ان کی تحیت سلام ہوگی۔ دنیا میں کئی مذہب ہیں اور اپنے اپنے سلام کے طریقے ہیں ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے مختلف انداز اور اچھے اچھے الفاظ ہیں، آپ مختلف الفاظ سنتے ہیں، صبح کے وقت عرب کہتے ہیں "صباحا الخیر" شام کا وقت ہو تو "مساء الخیر" یہ آج بھی رائج ہے اور ہزاروں سال سے ہے۔ ایک بہترین لفظ بھی ہے اور طریقہ بھی ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو وقت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ صبح ہو تو سلام بدل گیا، دوپہر ہو تو سلام بدل گیا، شام ہو تو سلام بدل گیا، لیکن رحمۃ للعالمین، جو سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ انہوں نے وہ سلام دیا کہ جس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ چوبیس گھنٹے میں میرے دوامتی جب آپس میں ملیں تو پہلا کہے السلام علیکم، دوسرا کہے وعلیکم السلام، ایک کہتا ہے کہ تم پر سلام، تو دوسرا کہتا ہے کہ ہاں تم پر بھی سلام ہو، تو اس بندے نے اس کو کس ذات کے ساتھ جوڑ دیا، وہ کہتا کہ خدا تجھے بھی اپنے ساتھ

جرّا ہوار کھے اور دوسرا کہتا ہے کہ خدا تجھے بھی اپنے ساتھ جرّا ہوار کھے۔ کیونکہ تیرا رب سلامتی والا ہے تو سلامتی سے خالی کیسے رہ سکتا ہے۔ پھر دونوں یہ کہتے ہیں کہ تو میری طرف سے سلامتی میں ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ تو میری طرف سے سلامتی میں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو خیر کی ضمانت دیتے ہیں۔

سلام کرنے کی فضیلت

عن عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الى النبي ﷺ قال: السلام عليكم، فرد عليه ثم جلس، فقال النبي ﷺ: عشر ثم جاء آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله، فرد فجلس فقال: عشرون، ثم جاء آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله و برکاته فرد فجلس، فقال: ثلاثون۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا: ”السلام علیکم“ آپ نے اس کو سلام کا جواب مرحمت فرمایا وہ بیٹھ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس نیکیاں۔ پھر دوسرا آدمی حاضر ہوا اور کہا: السلام علیکم ورحمة اللہ“ آپ نے جواب دیا وہ بیٹھ گیا فرمایا: بیس نیکیاں۔ پھر ایک اور شخص حاضر ہوا اور کہا: ”السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته“ وہاں ایک اور شخص آیا اور اس نے عرض کیا: السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته و مغفرتہ جواب میں ارشاد فرمایا: وعلیکم السلام ورحمة اللہ و برکاته و مغفرتہ آپ نے اس کو جواب دیا وہ بیٹھ گیا فرمایا تیس نیکیاں۔

اس طرح فضیلتیں حاصل کی جاتی ہیں جس طرح اس بندے نے حاصل کی

ہیں، یعنی سلامتی میں، خیر میں، رحمت میں اور مغفرت میں جو جتنا بڑھتا جائے گا اتنے ہی اس کے درجات بلند ہوں گے۔

وروی عن سهل بن حنیف رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من قال: السلام علیکم کتبت له عشر حسنات ومن قال: السلام علیکم ورحمة اللہ کتبت له عشرون حسنة، ومن قال: السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته کتبت له ثلاثون حسنة ۛ

ترجمہ: حضرت سهل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کہا ”السلام علیکم“ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جس نے شخص نے کہا ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جس شخص نے کہا ”السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته“ اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”خیر الناس من ینفع الناس“ بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔ جو دوسرے کی زیادہ بھلائی چاہنے والا ہو، جو ہماری شریعت میں اور ہمارے دین میں آپس میں ملنے کا طریقہ ہے

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال لی رسول اللہ ﷺ لا تحقرن من المعروف شیئاً، ولو ان تلقی اخاک بوجه طلق ۛ

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: کسی نیکی کو حقیر نہ جانو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا ہو۔ یہ نہ سمجھے کہ یہ چھوٹی نیکی اور یہ بڑی نیکی ہے، جو نیکی ہے وہ ہمیشہ بڑی ہی ہوگی۔ اس کی مثال یہ

۱- الترغیب والترہیب: 418/3 رقم: 3997

۲- ریاض الصالحین: کتاب السلام: رقم: 892

دی کہ ”ولو ان تلقی اخاک بوجه طلق“ اگر تم اپنے بھلائی سے خندہ پیشانی سے ملو تو یہ بھی نیکی ہے۔ چہرے پر مسکراہٹ رکھ کر ملنا یہ اتنا نایاب ہو گیا ہے کہ جتنی ہمارے ملک میں بجلی نایاب ہوگی ہے۔ بجلی کی طرح ہمارے چہرے بھی بجھ گئے، یہ دوسرے معاشرتی حالات نے ہمارے چہرے بھی بجھا دیئے ہیں۔ ہمارا رب اور ہمارے رسول ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بندوں کے چہرے کھلے رہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن یہ شناخت ہوگی **وَجُوهٌ يُّومئذٍ نَّاصِرَةٌ** (القیامہ: 22) ترجمہ: اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں اور کچھ چہرے بجھے ہوئے ہوں۔ جو تروتازہ اور کھلے ہوئے چہرے ہوں گے وہ جنتیوں کے ہوں گے اور جو چہرے بجھے ہوئے اور سیاہ ہوں گے، وہ جہنم والوں کے ہوں گے۔ تو اس لیے آپ ﷺ نے دنیا میں ہی ہمیں جنتیوں والی ٹریننگ دی۔ اور جو سلام جنتی جنت میں ایک دوسرے کو کریں گے وہ سلام نبی کریم ﷺ نے ہمیں دنیا میں عطا فرما دیا **تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ** (الاحزاب: 44) فرمایا جب یہ اپنے رب کی بارگاہ میں جا کر سلام کریں گے اس وقت ان کا سلام ہوگا ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ تم پر سلامتی ہو۔ سورہ یس میں موجود ہے کہ جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو جو سلام ہے وہ سب سے پہلے سنت الہیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے اور سلام بھیجتا ہے۔ جنتیوں کو جو پہلا پروٹوکول ملے گا وہ ہے **سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ الرَّحِيمِ** (یسین: 58) ان پر مہربان رب کا سلام ہو گا۔ جنتیوں کا استقبال جنت میں اس طرح ہوگا کہ سب سے پہلے ان کا رب فرمائے گا، جس کے لیے یہ ساری زندگی سجدے اور تسبیح کرتے رہے وہ کہے گا! اے میرے بندوں آج میں تم کو سلام کرتا ہوں۔ یہ آئیہ کریمہ بہت ہی پیاری ہے اس کو ہمیں اپنی زبانوں پر جاری رکھنا چاہیے۔ یہ جو ہمیں قرآن ملا ہوا ہے اس کی ہمیں قدر نہیں کیونکہ اس کی ہمیں پہچان نہیں ہے اگر اس کی پہچان ہو جائے تو دنیا ہی جنت بن سکتی ہے۔ یہ

جو دنیا میں لوگ تڑپتے رہتے ہیں یہ غور نہیں کرتے اگر یہ غور کر لیں تو دنیا ہی جنت بن جائے اللہ اور اس کے حبیب نے تو ہمیں دنیا میں جنت دی ہوئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم اس سے استفادہ نہ کریں، ان خصوصیات میں سے کچھ چیزیں نبی کریم ﷺ نے دنیا میں ہی ہمیں عطا فرمادی، ان میں سے ایک سلام ہے۔ اس سلام میں ایک سنت یہ بتائی کہ جب ملو تو چہرے پر بھی سلام ہو، لہجے میں بھی سلام ہو، اور ہاتھ پکڑنے میں بھی سلام ہو۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ پورا سلام ہاتھ اور زبان دونوں ہیں۔ زبان سے السلام علیکم“ کہہ کے اس کے ذہن میں بھی ہو کہ میں اس کے لیے سراپا سلامتی ہوں، مجھ سے اس کو کسی قسم کی کوئی ایذا اور تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ سلامتی کے معنی جو سلام میں چھپے ہیں اس کو ذہن میں بندہ رکھے تو سلام کا حق ادا ہوتا ہے اگر اسے رسم سمجھ کے کرتا ہے وہ تو اس کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

جنت میں لے جانے والا نسخہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ ﷺ لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا الا ادلکم علی شیء اذا فعلتہوا تحاببتم؟ افشوا السلام بینکم

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے تم جنت میں داخل نہیں ہو گے اور اس وقت تک تم مومن نہیں ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرو اور کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، آپس میں سلام کو رواج دو۔ یعنی اگر تم آپس میں محبت نہیں کرو گے تو تمہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا، تمہیں

۱- ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی افشاء السلام: الترغیب والترہیب: 412/3 رقم: 3979

ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوگی فرمایا وہ جو محبت کرنے کا نسخہ ہے وہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کیا میں تمہیں وہ چیز بتا دوں۔ یہ آپ کا انداز تھا، جب صحابہ کرام کو کچھ عطا کرنا ہوتا تو صحابہ کرام کے جذبہ طلب کو بڑھا دیتے تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ تمہیں کوئی قیمتی چیز ملنے والی ہے۔ پھر دیکھتے کہ یہ کتنی طلب سے کہتے ہیں تو وہ سراپا طلب بن جاتے جب نبی کریم ﷺ ان کو کوئی چیز عطا فرماتے، فرمایا اگر آپس میں محبت پیدا کرنی ہے تو افشوا السلام بینکم آپس میں سلام کو اتنا عام کر دو کہ ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہو۔ جب کوئی آپ سے سوال کرتا یا رسول اللہ ﷺ میں جنت میں جانا چاہتا ہوں مجھے کوئی نسخہ بتادیں، نبی کریم ﷺ فرماتے کہ اگر تم جنت میں جانا چاہتا ہے تو سلام کیا کر ہر اس کو جسے تو جانتا ہے اور جسے تو نہیں جانتا، جس کے ساتھ تیری جان پہچان ہو یا جان پہچان نہ ہو۔ افشوا السلام بینکم کا مفہوم یہ ہے کہ سلام کو اپنا کلچر بنا لو۔ سلام کو عام کر دو، اس کو رواج بنا لو، اور یہ سمجھ لو کہ سلام اللہ رب العالمین سے جڑنے کا نسخہ ہے۔

عن الطفیل بن ابی بن کعب انه کان یاتی عبداللہ بن عمر ، فیغدو معہ الی السوق ، قال فاذا غدونا الی السوق ، لم یمر عبداللہ علی سقاط ولا صاحب بیعہ ، ولا مسکین ، ولا احد الا سلم علیہ ، قال الطفیل فجئت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یوماً فاستتبعتنی الی لسوق ، فقلت له وما تصنع بالسوق ، وانت لا تقف علی البیع ، ولا تسأل عن السلع ، ولا تسوم بہا ، ولا تجلس فی مجالس السوق ؟ و اقول اجلس بنا ہا ہنا نتحدث ، فقال یا ابا بطن و کان الطفیل ذا بطن انما نغدو من اقل السلام فنسلم علی من لقینا ۱

ترجمہ: حضرت طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور وہ ان کو اپنے ہمراہ بازار لے جاتے، فرماتے ہیں: جب ہم بوقت صبح بازار جاتے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جس خوردہ فروش، تاجر، مسکین یا کسی اور شخص پر گزر ہوتا، اسے سلام کہتے۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مجھے اپنے ساتھ بازار لے جانے لگے، میں نے عرض کیا: آپ بازار جا کر کیا کریں گے، آپ نہ تو خرید و فروخت کے لیتے ٹھہرتے ہیں نہ کسی چیز کے متعلق پوچھتے ہیں نہ بھاؤ دریافت کرتے ہیں اور نہ ہی بازار کی کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر گفتگو کریں، انہوں نے فرمایا: اے پیٹ والے! حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کا پیٹ کچھ بڑا تھا، ہم صرف سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں جس سے ملاقات ہوتی ہے اسے سلام کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال اذا لقی احدکم اخاه، فلیسلم علیہ، فان حالت بینہما شجرة او جدار او حجر، ثم لقیہ، فلیسلم علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اسے سلام کہے اگر درمیان میں درخت، دیوار یا کوئی پتھر حائل ہو جائے اور پھر ملاقات ہو تو پھر دوبارہ سلام کہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تھا کہ جہاں بھی جاتے وہاں ہر کسی کو سلام کرتے جو آپ کو جانتا ہے یا نہیں جانتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جو سلام دیا وہ اپنے ناموں میں عطا فرمایا ہے۔ اپنی صفات میں

سے ایک صفت کو سلام بنا کے اپنے محبوب کے امتیوں کو عطا فرمایا۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: رسول اللہ ﷺ ابخل الناس من بخل بالسلام ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ کنجوس آدمی وہ ہے جو سلام میں کنجوسی کرے۔

عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قیل یا رسول اللہ، الرجلان يلتقيان، ايهما يبدأ بالسلام؟ قال اولاهما باللہ ۲

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ جب دو بندے آپس میں ملیں تو کونسا سلام میں پہل کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے رب کے زیادہ قریب ہوگا وہی پہل کرے گا۔

یعنی یہ نشانی بتا دی کہ جو رب کے قریب ہوگا پہل کی توفیق اسے ہی ملے گی۔ اور ایسا کئی بار ہوتا کہ صحابہ کہتے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرتے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سلام کر دیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ مبارک تھا کہ بچے باہر گلی میں کھیل رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھی سلام میں پہل کرتے ہیں۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ يسلم الراكب على الماشي، والماشي على القاعد، والماشيان ايهما ابداء فهو افضل ۳

۱- الترغيب والترهيب: 420/3، رقم: 4000

۲- رياض الصالحين: كتاب الصالحين: رقم: 858

۳- بخاری: كتاب الاستئذان، باب تسليم الراكب على الماشي: الترغيب والترهيب: 420/3، رقم: 4000

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار پیدل کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور بیٹھے ہوؤں میں سے جو بھی ابتداء کرے وہ افضل ہے، چنانکہ ترتیب تو یہی لیکن جب دونوں پیدل آرہے ہیں تو وہاں وہی کلیہ کہ جو رب کے قریب ہے وہ پہلے سلام کرے۔

عن ابی امامة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان اولی الناس باللہ من بدء بالسلام

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ہاں سب سے زیادہ وہ شخص مقرب ہے جو سلام میں پہل کرے۔ سلام میں پہل اور سبقت یہ بھی قربت کی نشانی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچوں کو سلام اس لیے پہلے کیا جاتا ہے کہ ان کی تعلیم ہو جائے۔ لیکن آج ہم نے سلام کے مترادف کئی لفظ نکال لیے اور سلام ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی جگہ دوسری چیزیں آگئی ہیں کہ کوئی خدا حافظ کہتا ہے کوئی اللہ حافظ کہتا ہے، ایک تو یہ سنت نہیں دوسرا یہ ہماری تہذیب نہیں، یہ دعا ہے تو اس میں شامل ہیں اگر آپ کہیں "السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ" اس کے بعد اللہ حافظ بھی کہ لیں تو کوئی حرج نہیں، لفظ سلام کے اس فیض کو صحابہ کرام نے آگے پھیلایا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی کا معاملہ ہوا کوئی چیز جو ان سے لینی تھی تو میری ڈیوٹی لگی، ایک دن میں ایک صحابی کو ساتھ لے کر ان کے پاس چلا گیا ابھی وہ دور ہی تھے کہ میں نے انہیں کہا "السلام علیکم ورحمة اللہ" یہ بڑی نایاب سنت ہے، یہ روح سلام ہے جس نے اپنے اندر ذوق سلامتی پیدا کرنا ہو تو وہ اس کو ایک مرتبہ کر کے دیکھے، یہ طریقہ

عربوں میں آج بھی ہے کہ دور سے ہی السلام علیکم کہہ دیتے ہیں، جو ساتھ صحابی تھے وہ کہنے لگے ابھی تو وہ دور ہے آپ نے سلام کر دیا تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس قبیلے والے کو پتہ لگ جائے کہ ہم نیکی میں پہل کرنے والے ہیں۔ ل

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جا رہے تھے گلی میں بچوں نے دیکھا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ بزرگ ہیں تو انہوں نے دوڑ دوڑ کر سلام کرنا شروع کر دیا، ایک بچہ دور تھا اس نے آواز دی کہ مولانا ذرا ٹھہر جانا آپ رک گئے وہ بچہ آیا اور السلام علیکم کہہ کے بھاگ گیا، لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ اس چھوٹے سے بچے کے لیے گلی میں کھڑے رہے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال آیا اگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے رک جاتے، فرمانے لگے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ادا یاد آگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بچوں کو سلام میں پہل فرمایا کرتے تھے۔ جو آداب سلام ہیں اس کو آگے پھیلانا یہ رسول اللہ ﷺ بڑی محبوب سنت ہے، بڑے زور سے حضور ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے اور محدثین نے اس پر بڑے مفصل باب باندھے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جنت میں جانے کے لیے بڑا نسخہ بیان فرمایا
افشوا السلام و اطعام الطعام و حسن الکلام سلام کو پھیلانے والا
ہو اور لوگوں کو اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلانے والا ہو اور لوگوں سے اچھی بات کرنے
والا ہو۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ (۱) سلام (۲) طعام (۳) کلام



وہ مقامات جہاں سلام کرنا منع ہے

عن المقداد رضی اللہ عنہ فی حدیثہ الطویل قال کنا نرفع
للنبی ﷺ نصیبہ من اللبن فیجیء من اللیل ، فیسلم تسلیماً لا
یوقظ نائماً ویسبح الیقظان ، فجاء النبی ﷺ فسلم کما کان یسلم
ترجمہ: حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے
دودھ کا حصہ رکھ دیتے آپ رات کو تشریف لاتے تو اس طریقہ سے سلام کرتے کہ
سونے والا بیدار نہ ہوتا اور جاگنے والا سن لیتا بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق
تشریف لائے اور سلام کہا۔ یعنی بندہ سلام اس جگہ نہ کرے جہاں کسی کو تکلیف ہو یا وہ
کسی کے آرام میں خلل ڈالے۔ لیکن بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہاں سلام کرنا منع
بھی ہے۔ کیونکہ سلام، سلامتی کے لیے تھا کسی کو تکلیف دینے کے لیے نہیں تھا، مثلاً
ایک بندہ نماز پڑھ رہا ہے اس کو سلام کرنا منع ہے کیونکہ وہ آپ کو جواب نہیں دے
سکتا۔

مومن کا مومن پر حق

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: حق
المسلم علی المسلم خمس: رد السلام، وعیادة المریض واتباع
الجنائز، واجابة الدعوة، وتشبیت العاطس

ترجمہ: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں اگر وہ سلام کرے تو یہ اسے
جواب دے، اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جائے، وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنا

۱- ریاض الصالحین: کتاب السلام، رقم: 854

۲- صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام: الترغیب والترہیب: 414/3، رقم: 3986

زے میں جائے، اگر وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، اگر اس کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ کہے اور یہ جواب میں یرحمکم اللہ کہے، یہ اس کے حقوق ہیں اگر یہ اس کو ایسے وقت میں سلام کر رہا ہے کہ وہ اسے جواب دینے پر قادر نہیں تو اسے گناہگار بنا رہا ہے، وہ کلام پاک کی تلاوت کر رہا ہے اس کو سلام نہ کرے حتیٰ کہ کھانا کھا رہا ہے تو بھی اسے سلام نہ کرے، یہاں تو بندے دسترخوان پر چڑھ کر سلام کر رہے ہوتے ہیں یہ تو سلامتی کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا منع ہے

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ بعض صوفیہ کرام کھانا کھاتے ہوئے سلام کا جواب دینا گناہ سمجھتے ہیں گویا تم نے اس کو اور ہمت دی کہ آئندہ بھی ایسا ہی کیا کر، اگر اس کو نہیں پتہ تو اشارے سے اس کو روک دے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے طریقے سے سلام کو بھی منع کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودی انگلیوں سے سلام کرتے ہیں اور عیسائی ہتھیلیوں سے سلام کرتے ہیں، فرمایا کہ تم اس کے خلاف کرو، لیکن ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے کہ منہ سے تو توفیق ہی نہیں کہ سلام کریں اور بعض تو ایسے ہیں کہ زندگی بھر سلام نہیں کہا اور نہ کسی سلام کہنے والے کو وعلیکم السلام کہا ہے وہ دنیا میں سلامتی سے خالی ہے۔ بس آئے ملے کیا حال ہے جی ٹھیک ہے یہ ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کا سلام ہے۔ اس کی بجائے کہو ”السلام علیکم“ اور جواب میں کہو وعلیکم السلام کہو۔ سام علیکم نہ کہو یہ بددعا ہے اس سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کہو، سام کا معنی ہے کہ تو تباہ و برباد ہو جائے، اساء علیکم تم پر افسوس ہے، تو بڑا بد نصیب انسان ہے، جب تم اس لفظ کو بگاڑو گے تو یہ دعا، بددعا میں بدل جائے گی۔ اس لیے صحیح طریقہ ہے ”السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ و مغفرتہ“ خوش دلی

کے ساتھ، صرف اس ایک سنت میں بخشش ہے۔

سلام کرنے سے بخشش ہو جاتی ہے

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: قال: رسول اللہ ﷺ ما من مسلمین يلتقيان فيتصافحان الا غفرا لهما قبل ان يتفرقا

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دو مسلمان بھائی آپس میں ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، دونوں کے ہاتھ جدا ہونے سے پہلے ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے جدا ہونے سے پہلے اس طرح گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔

سبحان اللہ! یہ کیسا نسخہ کیمیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں سلامتی عطا فرمائے اور سلامتی آگے بانٹنے کی توفیق عطا

فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمين!

والصلوة والسلام على خاتم النبيين وعلى آله وصحبه اجمعين.

تمت بحمد الله تعالى

○○○○



نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي وَحَفِظَهَا، وَوَعَاهَا، وَأَدَاهَا“ (رواه الترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے، جس نے میری حدیث کو سنا، اس کو یاد کیا اور اس کو صحیح طور پر آگے پہنچایا۔

حَجَّالِشَّارِکِیْنِ

درس حدیث پر مبنی ایمان افروز مجموعہ

افاضات عالیہ:

حضرت علامہ مفتی پیر محمد شاہ شاہ جلالی سیفی